علم بلاغت کی مختصر اور جامع کتاب
دروس البلاغۃ
کا عام فہم ترجمہ و توضیح
تفہیم البلاغہ
ترجمہ و توضیح
مولانا محمد صدیق ہزاروی
مکتبہ اہلسنت
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

علم بلاغت کی مختصر اور جامع کتاب

دروس البلاغہ

کا عام فہم ترجمہ و توضیح

تفہیم البلاغہ

ترجمہ و توضیح

مولانا محمد صدیق ہزاروی

مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ ◆ مانسہرہ

☆ نام کتاب : تفہیم البلاغہ

﴿ترجمہ وتوضیح دروس البلاغہ﴾

☆ مترجم : مولانا محمد صدیق ہزاروی

☆ صفحات 156

☆ ہدیہ

☆ کمپوزنگ : محمد واحد بخش سعیدی

☆ ناشر : مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ

جامعہ اسلامیہ حنفیہ عثمان آباد

داخلی چھمڑھ ڈاک خانہ چٹہ بٹہ ضلع مانسہرہ

واحد تقسیم کار اور ملنے کا پتہ

مکتبہ تنظیم المدارس

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

فون : 7657842-7634478

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دروس البلاغۃ' علم بلاغت کی ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے جو تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق طلباء کو درجہ رابعہ میں پڑھائی جاتی ہے جب کہ طالبات کے لیے یہ کتاب درجہ عالیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

اس کتاب کے حوالے سے طالبات کے بعض حلقوں کی طرف سے پریشانی کا اظہار کیا گیا جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ' طلباء کو پڑھانے والے اساتذہ علم بلاغت کی تمام کتب متداولہ پڑھنے اور پڑھانے کی وجہ سے وسیع تجربہ رکھتے ہیں جب کہ طالبات کو ایسی اساتذہ میسر نہیں ہیں۔

لہذا قواعد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ عبارت کو مع ترجمہ سمجھنا دوہری ذمہ داری بن جاتی ہے اور ماہر اساتذہ کا نہ ہونا طالبات کے لیے مزید پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے راقم نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا عام فہم ترجمہ اور توضیح اردو میں کردی جائے تاکہ طالبات' بلاغت کے قواعد کو آسانی سمجھ سکیں اور امتحانی ایام میں طلباء بھی استفادہ کرسکیں نیز اسکے علاوہ دیگر اہل ذوق حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

محمد صدیق ہزاروی

۱۹ جمادی الاخری ۱۴۲۲ھ ۸ ستمبر ۲۰۰۱

فہرست

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
نوید سحر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ (فصاحت و بلاغت)

فصاحت:

فصاحت کا لغوی معنیٰ بیان اور ظہور ہے۔ جب کسی بچے کا کلام واضح اور ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے۔

اَفْصَحَ الصَّبِیُّ فِیْ مَنْطِقِهٖ   بچہ اپنی گفتگو میں فصیح (فصاحت والا) ہو گیا۔ (یعنی اس کا کلام فصیح واضح ہو گیا)

اصطلاح میں: فصاحت کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے۔

نوٹ: کلمہ، کلام اور متکلم کی فصاحت کا تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے۔

کلمہ میں فصاحت:

کلمہ میں فصاحت اس کلمہ کا تنافر حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت سے خالی ہونا ہے۔

تنافر حروف:

تنافر، کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جو اس کلمہ کو زبان پر ثقیل بنا دیتا ہے۔ اور اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے

انضش: کھردری جگہ کو کہا جاتا ہے۔

الہعخع: وہ سبزی جسے اونٹ چرتے ہیں۔

النقاخ: میٹھے اور صاف پانی کو کہا جاتا ہے۔

اَلْمُسْتَشْزِرُ : بٹی ہوئی رسی یا گندھے ہوئے بال۔

(ان حروف کو زبان پر لانے سے بوجھ محسوس ہوتا ہے)

مخالفتِ قیاس:

جب کوئی کلمہ صرفی قانون کے مطابق جاری نہ ہوتو یہ مخالفتِ قیاس ہے۔ مثلاً

متنبّی شاعر کا شعر ہے۔

فَإِنْ یَکُ بَعْضُ النَّاسِ سَیْفًا لِدَوْلَةٍ فَفِیْ النَّاسِ بُوْقَاتٌ لَهَا وَطُبُوْلُ

پس اگر بعض لوگ دولت کے لیے سیف (تلوار) ہوں تو لوگوں میں ان کے

لیے باجے اور ڈھول ہوں گے۔

(یہاں لفظ بوق کی جمع بوقات آئی ہے) جب کہ قیاس کے مطابق اس کی جمع

قلت ابواق آتی ہے)

اسی طرح شاعر کا قول ہے:

إِنَّ بَنِیَّ لِلِئَامِ زَهَدَهْ مَالِیْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ مَوْدَدَهْ

بے شک میرے بیٹے کمینوں کے لیے زاہد ہیں تو میرے لیے ان کے دل میں

کوئی محبت نہیں۔

قیاس (صرفی قاعدے) کا تقاضا تھا کہ مودده میں (پہلی دال کا فتح واؤ کو دے

کر دال کا دال میں) ادغام کر کے مُوَدَّةٌ پڑھتے لیکن یہاں خلاف قیاس استعمال ہوا ہے۔

غرابت:

کلمہ کی غرابت یہ ہے کہ اس کا معنی ظاہر نہ ہو جیسے تَکَأْکَأَ اس کا معنی اِجْتَمَعَ (

جمع ہوا) ہے اور افْرَنْقَعَ کا معنی اِنْصَرَفَ (پھر گیا) ہے اطلخم کا معنی اِشْتَدَّ (سخت ہوا)

ہے۔

چونکہ اس طرح کے الفاظ اہل عرب میں رائج نہیں اس لیے اس کے معانی ظاہر و مشہور نہیں ہے۔

فصاحتِ کلام:

کلام میں فصاحت یہ ہے کہ وہ کلمات کے اجتماع سے پیدا ہونے والے تنافر، ضعفِ تالیف اور تعقید سے خالی ہو اور اس کے کلمات بھی فصیح ہوں۔

تنافرِ کلام:

کلام میں تنافر ایک ایسا وصف ہے جس سے کلام زبان پر بھاری ہو جاتا ہے۔ اور بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے

فِیْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُکَ یَشْرَعُ

وَلَیْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ

کَرِیْمٌ مَتٰی اَمْدَحْہُ اَمْدَحْہُ وَالْوَرٰی مَعِیْ

وَاِذَا مَا لُمْتُہٗ لُمْتُہٗ وَحْدِیْ

شریعت کے تخت کو بلند کرنے میں تیری طرح کا بلند کرتا ہے اور حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں۔

وہ ایسا کریم ہے کہ جب میں اس کی تعریف کرتا ہوں تو ایسی حالت میں تعریف کرتا ہوں کہ مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے اور جب میں اسے ملامت کرتا ہوں تو اکیلا ہی ملامت کرتا ہوں۔

یہاں قرب، قبر، امدحہ اور لمتہ اپنی اپنی جگہ فصیح ہیں لیکن ان کے جمع ہونے

سے مخل ہو گیا تو یہ کلام میں تنافر ہے۔

ضعفِ تالیف:

مشہور نحوی قانون کے خلاف جاری ہو تو اسے ضعفِ تالیف کہتے ہیں۔ جیسے لفظاً اور رتبتاً دونوں اعتبار سے اضمار قبل الذکر ہو۔

نوٹ: جس کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اسے ضمیر کا مرجع کہتے ہیں مثلاً جَاءَ زَیْدٌ وَھُوَ رَاکِبٌ زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو ھُوَ ضمیر کا مرجع زَیْدٌ ہے۔ قانون یہ ہے کہ مرجع پہلے اور ضمیر بعد میں ہو جس طرح یہاں ہے اگر ضمیر پہلے ہو اور مرجع بعد میں ہو تو یہ اضمار قبل الذکر ہوتا ہے جو جائز نہیں البتہ ضمیر کا مرجع لفظاً ضمیر سے بعد ہو لیکن رتبۃً کے اعتبار سے پہلے ہو تو جائز ہے۔

جیسے شاعر کا قول ہے

جَزٰی بَنُوْهُ اَبَا الْغَیْلَانِ عَنْ کِبَرٍ

وَحُسْنِ فِعْلٍ کَمَا یُجْزٰی سِنِمَّارٌ

ابو غیلان کے بیٹوں نے اس کے بوڑھے ہونے کے بعد اور اچھے سلوک کے باوجود ایسا بدلہ دیا جیسے سنمار نامی معمار کو بدلہ دیا گیا۔

یہاں "بنوہ" کی ضمیر مجرور "ہ" ابوالغیلان کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اسی کے بیٹوں کا ذکر ہے اور ضمیر پہلے ہے جب کہ ابوالغیلان کا ذکر بعد میں ہے یہ اضمار قبل الذکر ہے۔

تعقید: مرادی معنی پر کلام کی دلالت خفی (پوشیدہ) ہو اور یہ پوشیدگی یا تو لفظی اعتبار سے ہوگی جیسے تقدیم یا تاخیر یا فصل کے سبب سے ہو تو اسے تعقید لفظی کہتے ہیں۔

جیسے متنبی کا قول ہے۔

جَفَخَتْ وھُمْ لا یَجْفَخُوْنَ بِھَابِھِمْ

شِیَمٌ عَلَی الْحَسَبِ الاَغَرِّ دَلائِلُ

ممدوح کے اخلاق نے فخر کیا حالانکہ وہ خود اپنے اخلاق پر فخر نہیں کرتے تو یہ اعلی حسب ونسب پر دلیل ہے۔

اس عبارت کی تقدیر یوں ہے

جَفَخَتْ بِھِمْ شِیَمٌ دَلاَئِلُ علی الْحَسَبِ الاَ غَرِّ وَھُمْ لایَجْفَخُوْنَ بِھَا

یعنی بھم کو مؤخر کیا گیا وھم کو مقدم گیا اسی طرح وھم لا یجفخون بھا کو مقدم کیا اور شیم اور دلائل کے درمیان علی الحسب الاغر کے ذریعے فصل کیا گیا۔تو یہ تعقید لفظی ہے۔

یا مجاز اور کنایہ کے استعمال سے معنی میں پوشیدگی ہو اور مراد سمجھ نہ آئے تو یہ تعقید معنوی ہے جیسے

نَشَرَ الْمَلِکُ اَلْسِنَتَہٗ فِی الْمَدِیْنَۃِ

بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلا دیں تو زبانوں سے اس کے جاسوس مراد ہیں۔حالانکہ واضح عبارت یہ ہے کہ " نشر عیونہ" اس نے اپنے مددگار پھیلا دیئے۔

اسی طرح شاعر کا قول ہے

سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْکُمْ لِتَقْرُبُوْا

وَتَسْکُبُ عَیْنَایَ الدُّمُوْعَ لِتَجْمُدَا

عنقریب میں تم لوگوں سے مکان کی دوری چاہوں گا تا کہ تم لوگ قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہائیں گی تا کہ وہ خشک ہو جائیں۔

جب آنکھیں خشک ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آنکھوں نے رونے میں بخل سے کام لیا جب کہ یہاں آنکھوں کے خشک ہونے سے خوشی مراد ہے یعنی انسان جو کچھ چاہتا ہے اس کے خلاف ہوتا ہے۔ لہذا اب میں محبوب کا فراق چاہوں گا اور رونے سے باز رہوں گا تا کہ محبوب کی ملاقات ہو۔ تو محبوب کی ملاقات سے حاصل ہونے والی خوشی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے معنی پوشیدہ ہو گیا اسے تعقید معنوی کہتے ہیں۔

فصاحت متکلم:

یہ ایک ایسا ملکہ (قوت) ہے جس کے ذریعے متکلم فصیح کلام کے ساتھ اپنے مقصود کو بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے وہ کلام جس غرض میں بھی ہو۔

بلاغت

بلاغت کا لغوی معنی پہنچنا اور انتہا ہے کہا جاتا ہے "بلغ فلان مرادہ" (فلاں شخص اپنی مراد کو پہنچا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس تک پہنچے۔

اور جب سوار شہر تک پہنچے تو کہا جاتا ہے "بلغ الراکب المدینۃ" سوار شہر تک پہنچ گیا (یعنی اس کے سفر کی انتہا ہو گئی)

اصطلاحی طور پر بلاغت کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے (کلمہ کی صفت نہیں ہوتی)

بلاغتِ کلام

کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا بلاغت کلام ہے جب کہ وہ کلام فصیح بھی ہو۔

حال

حال کا دوسرا نام مقام ہے اور یہ ایسی بات ہے جو متکلم کو خاص صورت میں کلام لانے پر مجبور کرتی ہے۔ مثلاً مخاطب منکر ہو تو متکلم تاکیدی کلام کرتا ہے۔

مقتضیٰ حال اور اعتبار مناسب

یہ اس مخصوص صورت کو کہتے ہیں جس کے مطابق عبارت لائی جاتی ہے۔ اسے مقتضیٰ بھی کہتے ہیں اور اعتبار مناسب بھی۔

مثلاً: تعریف ایک حال (حالت) ہے جو طویل کلام کا تقاضا کرتی ہے اور مخاطب کا سمجھدار ہونا ایک حال ہے جو کلام کے مختصر ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس مدح اور سمجھداری دونوں حال ہیں اور طوالت و اختصار مقتضیٰ ہیں اور کلام کو طوالت اور اختصار کی صورت میں لانا مقتضائے حال کی مطابقت ہے۔

بلاغتِ متکلم

بلاغتِ متکلم ایک ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے متکلم بلیغ کلام کے ساتھ اپنا مقصود بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے اس کی غرض کوئی بھی ہو۔

بلاغت کے لیے ضروری امور

تنافر حروف کی پہچان ذوق سلیم کے ذریعے ہوتی ہے۔

مخالفت قیاس کی پہچان علم صرف سے ہوتی ہے۔

ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی پہچان علم نحو سے ہوتی ہے۔

غرابت کی پہچان عربی کلام کے بارے میں کثرتِ معلومات کے ذریعے ہوتی

تعقید معنوی کی پہچان علم بیان کے ذریعے ہوتی ہے۔

اور احوال و مقتضیات کی پہچان علم معانی کے ذریعے ہوتی ہے۔

لہذا بلاغت کے طالب علم کے لیے علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان کا جاننا نیز سلیم ذوق کا پایا جانا اور عربی کلام سے زیادہ واقف ہونا ضروری ہے۔

علم معانی

تعریف:

علم معانی وہ علم ہے جس کے ذریعے عربی الفاظ کے ان احوال کی پہچان حاصل ہوتی ہے جن کی وجہ سے مقتضائے حال کی مطابقت پائی جاتی ہے۔

لہذا احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے کلام کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِیْ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا

اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے لیے شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے ہدایت کا ارادہ فرمایا۔

لفظ "اَمْ" سے پہلے کلام کی صورت "اَمْ" سے بعد والے کلام کی مخالف صورت ہے۔ کیونکہ پہلے والی صورت میں فعل (اُرِیْدَ) مجہول ہے اور ام کے بعد والی صورت میں یہ فعل معروف ہے (پہلے اُرِیْدَ اور بعد میں اَرَادَ ہے) پس یہ حال دوسری صورت میں خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف چاہتا ہے اور پہلی صورت میں شر کی نسبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے سے منع کرتا ہے۔

لم معانی کی تقسیم:

علم معانی کے بیان میں آٹھ باب اور ایک خاتمہ ہے

پہلا باب (خبر اور انشاء)

ہر کلام دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے

(۱) خبر (۲) انشاء

خبر: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہنا صحیح ہو۔ جیسے "سَافَرَ زَیْدٌ" (زید نے سفر کیا) اور "بکْرٌ مُقِیْمٌ" (بکر مقیم ہے)

انشاء: وہ کلام جس کے قائل کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں وہ انشاء ہے۔ جیسے سَافِرْ یَا زَیْدُ (زید! سفر کرو) اَقِمْ یا بَکْرُ (بکر! مقیم ہو جا)

صدقِ خبر:

خبر کے صدق (سچ) سے مراد یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہو۔

کذبِ خبر:

خبر کے کذب (جھوٹ) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو۔

پس جملہ "بَکْرٌ مُقِیْمٌ" میں اقامت کی بکر کی طرف نسبت اگر خارج کے مطابق ہے یعنی واقعی بکر مقیم ہے تو یہ صدق ہے اور اگر خارج میں ایسا نہیں ہے تو یہ جھوٹ ہے۔

محکوم علیہ اور محکوم بہ:

ہر جملے کے دو رکن ہوتے ہیں ایک کو محکوم علیہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو محکوم بہ۔

محکوم علیہ کو مسند الیہ بھی کہتے ہیں جیسے فاعل نائب فاعل اور مبتدا جس کی خبر ہو اور

محکوم بہ کو مسند بھی کہتے ہیں جیسے فعل اور وہ مبتدا جس کے مرفوع پر اکتفاء کیا گیا ہو (یہ مبتدا کی دوسری قسم ہے یعنی حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہونے والی صفت جو اسم ظاہر کو رفع دیتی ہے جیسے اَقَائِمُ الزَّیْدَانِ اور اَقَائِمُ الزَّیْدُوْنَ اس میں قَائِمٌ صفت مسند ہے لیکن مبتدا ہے اور اَلزَّیْدَانِ فاعل بھی ہے اور خبر بھی)

خبر کا بیان:

نوٹ: یہاں خبر سے مراد جملہ خبریہ ہے مبتدا کے مقابل خبر مراد نہیں۔ (۱۲ ہزاروی)

خبر جملہ فعلیہ ہوتی ہے یا جملہ اسمیہ

جملہ خبریہ:

اس بات کے لیے وضع کیا گیا کہ مخصوص زمانے میں اختصار کے ساتھ (فعل کے) حدوث کا فائدہ دے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ (زید زمانہ ماضی میں ضرب کو عمل میں لایا) بعض اوقات یہ استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے جب اس بات پر کوئی قرینہ ہو اور فعل مضارع ہو (فعل کا بار بار ہونا استمرار تجددی ہے)

جیسے شاعر کا قول ہے

اَوَ کُلَّمَا وَرَدَتْ عُکَاظَ قَبِیْلَةٌ

بَعَثُوْا اِلَیَّ عَرِیْفَهُمْ یَتَوَسَّمُ

کیا جب کبھی عکاظ کے بازار میں کوئی قبیلہ اترے گا تو میرے پاس اپنے سردار کو بھیجے گا جو علامت طلب کرے گا۔

جملہ اسمیہ: صرف مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنے کے لیے وضع کیا گیا

جیسے اَلشَّمْسُ مُضِیْئَةٌ سورج روشن ہے (سورج کے لیے روشنی کو ثابت کیا)

بعض اوقات کسی قرینہ کی وجہ سے استمرار کا فائدہ بھی دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی خبر میں فعل نہ ہو جیسے اَلْعِلْمُ نَافِعٌ علم (ہمیشہ) نفع دیتا ہے۔

فائدہ خبر

جملہ خبریہ اصل میں دو باتوں کے لیے آتا ہے۔

(۱) مخاطب کو اس بات کی خبر دینا جس پر جملہ مشتمل ہے اسے فائدہ خبر کہتے ہیں جیسے حَضَرَ الاَمِیْرُ امیر حاضر ہوا۔

لازمِ فائدہ خبر

(۲) مخاطب کو اس بات کی خبر دینا کہ متکلم کو مضمون جملہ کا علم ہے اسے لازمِ فائدہ خبر کہتے ہیں جیسے "حَضَرْتَ اَمْسِ" تم کل آئے۔ مخاطب کو اس بات کا پہلے سے علم ہے صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ متکلم کو اس بات کا علم ہے۔

خبر کی دوسری اغراض

(۱) طلبِ رحم جیسے حضرت موسیٰ علیہ نے عرض کیا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے رب! تو نے جو بھلائی میری طرف نازل کی ہے میں اس کا محتاج ہوں۔

(۲) کمزوری کا اظہار۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں

(۳) اظہار افسوس۔ جیسے حضرت عمران کی بیوی نے کہا۔

رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

یا اللہ! میرے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو پیدا ہوئی۔

(۴) خوشی کا اظہار۔ اچھی بات کے آنے اور برائی کے جانے پر خوشی کا اظہار۔

جیسے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حق آیا اور باطل چلا گیا

(۵) اظہارِ مسرت۔ جس آدمی کو علم ہوا سے ترقی کے انعام کی خبر دینے کا مقصد مسرت کا اظہار ہے۔

اَخَذْتُ جَائِزَةَ التَّقَدُّمِ میں نے ترقی کا انعام پایا۔

(۶) توبیخ (جھڑکنے) کے لیے جیسے: جھوٹ بولنے والے سے کہا جائے۔

اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ سورج طلوع ہو چکا ہے۔

نوٹ: ان تمام صورتوں میں فائدہ خبر یا لازمِ فائدہ خبر مقصود نہیں ہے۔

خبر کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تاکید سے خالی ہو (۲) تاکید حسن ہو واجب نہ ہو (۳) تاکید واجب ہو

تفصیل: جب خبر دینے والے کا مقصد مخاطب کو خبر کا فائدہ پہنچانا ہو تو اسے ضرورت کے مطابق کلام کرنا چاہیے تاکہ وہ لغو اور فضول بات سے بچ جائے (لہذا تین صورتیں ہوں گی)

(۱) اگر مخاطب خالی الذھن ہو (منکر یا شک کرنے والا نہ ہو) تو اسے تاکید کے بغیر خبر دے۔ جیسے اَخُوْكَ قَادِمٌ تیرا بھائی آنے والا ہے۔

(۲) اگر مخاطب کو تردد ہو اور خبر کی معرفت کا طالب ہو تو تاکید ذکر کرنا اچھا ہے جیسے" اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ (بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے)

(۳) اگر مخاطب منکر ہو تو ایک یا زیادہ تاکیدی الفاظ کے ذریعے تاکید ضروری ہے جس درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید ہو۔ جیسے:۔

إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ	بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے۔(پہلا درجہ)
إِنَّهُ لَقَادِمٌ	بے شک وہ ضرور آنے والا ہے (دوسرا درجہ)
وَاللهِ إِنَّهُ لَقَادِمٌ	اللہ کی قسم بے شک وہ ضرور آنے والا ہے (تیسرا درجہ)

پہلی صورت میں ''اِنَّ حرف'' تاکید ہے دوسری صورت میں ''اِنَّ اور لام'' دو حروف تاکید ہیں اور تیسری صورت میں ''واللہ (قسم) **اِن اور لام**'' تین تاکیدیں ہیں۔

خبر کی اقسام:

خبر کے تاکید سے خالی ہونے اور تاکید پر مشتمل ہونے کے حوالے سے تین اقسام ہیں۔

(۱) ابتدائی: جب مخاطب خالی الذہن ہو۔

(۲) طلبی: جب مخاطب کو تردد اور شک ہو۔

(۳) انکاری: جب مخاطب منکر ہو۔

الفاظ تاکید:

تاکید کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اِنَّ ، اَنَّ ،لام ابتداء،حروف تنبیہ (اَلاَ ۔ ھَا ۔ اَمَا) قسم،نون تاکید ثقیلہ،نون تاکید خفیفہ،حروف زائدہ حروف تکریر،قد اور اما شرطیہ۔

انشاء کا بیان:

انشاء کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

(۱) انشاء طلبی: وہ انشاء جس میں مطلوب کی طلب ہو جب کہ وہ طلب کے وقت حاصل نہ ہو۔

(۲) انشاءغیر طلبی: جس میں طلب نہ ہو۔

انشاء طلبی کی اقسام:

انشاء طلبی کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) امر (۲) نہی (۳) استفہام (۴) تمنی (۵) ندا

امر: اپنے آپ کو بلند مرتبہ سمجھتے ہوئے دوسرے آدمی سے کسی کام کی طلب کو امر کہتے ہیں اور اس کے چار صیغے ہیں۔

(۱) فعل امر: جیسے خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ کتاب کو مضبوطی سے پکڑو (خُذْ امر کا صیغہ ہے)

(۲) مضارع جس سے لام ملی ہوئی ہے: جیسے لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَۃٍ مِّنْ سَعَتِہٖ چاہیے کہ مالدار اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے۔ (یہاں لِیُنْفِقْ مضارع کا صیغہ ہے اور اس کے ساتھ لام امر متصل ہے)

(۳) فعل امر کا اسم: جیسے "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" فلاح کی طرف آؤ (حَیَّ اسم امر ہے)

(۴) مصدر جو فعل امر کا نائب ہو: جیسے سَعْیًا فِیْ الْخَیْرِ بھلائی کے لیے کوشش کرو (یہاں لفظ سعی مصدر ہے جو فعل امر کے قائم مقام ہے)

امر کے صیغوں کا دوسرے معانی میں استعمال:

بعض اوقات امر کے صیغے اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس بات کا علم سیاقِ کلام اور احوال کے قرائن سے حاصل ہوتا ہے وہ معانی یہ ہیں۔

(۱) دعا: جیسے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ ۔ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ (یہاں اَوْزِعْنِیْ امر کا صیغہ دعا کے معنی میں

استعمال ہوا)

(۲) التماس: جیسے کوئی شخص اپنے برابر کے آدمی سے کہے۔

اَعْطِنِیْ الْکِتَابَ مجھے کتاب دو (یہاں اَعْطِنِیْ امر کا صیغہ التماس کے لیے مستعمل ہے)

(۳) تمنی: جیسے شاعر کا قول ہے

اَلاَ اَیُّھَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ اَلاَ انْجَلِیْ

بِصُبْحٍ وَّمَا الْاِصْبَاحُ مِنْکَ بِاَمْثَلِ

سنو! اے لمبی رات سنو صبح کے ساتھ روشن ہو جاؤ اور صبح بھی تم سے زیادہ اچھی نہیں۔ (یہاں "اِنْجَلِیْ" امر کا صیغہ تمنا اور آرزو کے لیے استعمال ہوا)

(۴) ارشاد (رہنمائی) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔

جب تم ایک مقرر وقت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ (یہاں فَاکْتُبُوْہُ امر کا صیغہ راہنمائی کے لیے ہے)

(۵) تہدید (جھڑکنا) جیسے ارشاد خداوندی ہے

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ جو دل چاہے کرو

(یہاں اِعْمَلُوْا امر کا صیغہ جھڑک کے طور پر استعمال ہوا)

(۶) تعجیز (کسی کی عاجزی ظاہر کرنا) جیسے

يَـــا لَبَـــكْـــرٍ اُنْشُـــرُوْا لِـــىْ كُـلَيْبًـــا

يَـــا لَبَـــكْـــرٍ اَيْـــنَ اَيْـــنَ الْـــفِـــرَارُ

ہائے بکر مجھے کلیب کے مقابلے میں کھڑا کر دو ہائے بکر! کہاں بھاگتے ہو۔

(یہاں "اُنْشُرُوْا" امر کا صیغہ ہے جو ان کی عاجزی بتانے کے لیے ہے)

(۷) اہانت: جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

كُـوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۔ پتھر یا لوہا ہو جاؤ (كُوْنُوْا امر کا صیغہ ہے اور ان

لوگوں کی توہین مقصود ہے)

(۸) اباحت: ارشاد خداوندی ہے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ پیو۔ (یہاں "كُلُوْا اور اِشْرَبُوْا" کھانے پینے کو

واجب کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض جائز اور مباح کرنے کے لیے آئے ہیں اباحت کا معنیٰ

کسی کام کا محض جائز ہونا ہے مستحب یا واجب نہیں ہوتا)

(۹) احسان رکھنا: كُلُوْا مِمَّـا رَزَقَكُمُ اللهُ۔ اس رزق سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

تمہیں عطا فرمایا۔ (بطور احسان فرمایا)

(۱۰) تخییر (اختیار دینا) جیسے خُذْ هٰذَا اَوْ ذَاكَ یہ لو یا وہ (اختیار دیا گیا)

(۱۱) التسویۃ (برابری) جیسے اِصْبِـــرُوْا اَوْ لَا تَـصْبِـــرُوْا۔ صبر کرو یا نہ کرو (دونوں

صورتیں برابر ہیں)

(۱۲) اکرام (تعظیم) ارشاد خداوندی ہے اُدْخُـلُـوْهَـا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ۔ سلامتی کے

ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ تم امن والے ہو۔

نہی: اپنے آپ کو برا سمجھتے ہوئے کسی کو فعل سے رکنے کا کہنا نہی ہے۔

نہی کا ایک ہی قسم کا صیغہ ہے اور وہ مضارع کا صیغہ ہے جس کے ساتھ لائے نفی

ملی ہوتی ہے۔جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۔زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔

دوسرے معانی میں استعمال

بعض اوقات نہی اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ بات مقام اور سیاقِ کلام سے معلوم ہوتی ہے۔مثلاً۔

(۱) دعا: جیسے وَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ اور مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا۔

(۲) التماس: جیسے تم اپنے برابر کے آدمی سے کہو۔

لَا تَبْرَحْ مِنْ مَكَانِكَ حَتّٰى اَرْجِعَ اِلَيْكَ ۔ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا حتی کہ میں تمہاری طرف لوٹ آؤں۔

(۳) تمنی: جیسے

يَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ   يَا صُبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعِ

اے رات لمبی ہو جا اے نیند دور ہو جاؤ اے صبح ٹھہر جا طلوع نہ ہو۔

یہاں ''لَا تَطْلُعِ'' نہی کا صیغہ ہے صبح کو منع نہیں کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ تو شعور نہیں رکھتی بلکہ تمنا کی جا رہی ہے کہ صبح طلوع نہ ہو۔

(۴) تہدید: (جھڑکنا) جیسے تم اپنے خادم سے کہو۔

لَا تُطِعْ اَمْرِیْ. میری بات نہ ماننا۔ (یہاں منع کرنا مقصود نہیں بلکہ ڈانٹ ڈپٹ ہے)

استفہام:

کسی چیز کی طلب کو استفہام کہتے ہیں اور اس کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں ھمزہ، ھَلْ، مَا، مَنْ، مَتٰی، اَیَّانَ، کَیْفَ، اَیْنَ، اَنّٰی، کَمْ اور اَیٌّ

(۱) ہمزہ:

ہمزہ تصور اور تصدیق دونوں کی طلب کے لیے آتا ہے۔

تصور: مفرد کا علم حاصل کرنا تصور ہے۔ جیسے تم کہو اَعَلِیٌّ مُسَافِرٌ اَمْ خَالِدٌ. کیا علی مسافر ہے یا خالد؟ یعنی تمہیں معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مسافر ہے لیکن اسے متعین کرنے کے لیے پوچھا گیا اسی لیے جواب میں کسی ایک کو متعین کرنا ضروری ہے مثلاً جواب میں کہا جائے "علیٌّ" (علی مسافر ہے)

تصدیق: نسبت کا علم حاصل کرنا۔ جیسے کہا جائے "اَسَافَرَ عَلِیٌّ" کیا علی نے سفر کیا۔ یہاں اس کے سفر کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے کہ وہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے یہاں نعم (ہاں) یا "لا" (نہیں) کے ساتھ جواب ہوتا ہے۔ تصور میں مسؤل عنہ (جس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے) وہ ہوتا ہے جو ہمزہ سے ملا ہوتا ہے اور اس کا کوئی معادل (ہم پلہ) ہوتا ہے جو ام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور اسے "ام متصلہ" کہتے ہیں۔

٭ پس مسند الیہ کے بارے میں سوال ہو تو تم یوں کہو گے۔ اَاَنْتَ فَعَلْتَ ھٰذَا اَمْ یُوْسُفُ کیا تم نے یہ کام کیا یا یوسف نے! یعنی یہاں کام کا کیا جانا معلوم ہے۔ کرنے والے (مسند الیہ) کے بارے میں سوال ہے اور مسند کے بارے میں سوال یوں ہوگا۔ "اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنِ الْاَمْرِ اَمْ رَاغِبٌ فِیْهِ" کیا تم اس کام میں رغبت نہیں رکھتے یا رغبت رکھتے ہو۔ تو یہاں رغبت رکھنے نہ رکھنے یعنی مسند کے بارے میں سوال ہے۔

مفعول کے بارے میں سوال یوں ہوگا " أ إيّايَ تقصُد أم خالدًا " کیاتم میرا قصد کرتے ہو یا خالد کا؟۔

حال کے چھوڑنے میں سوال اس طرح ہوتا ہے۔" أراكبا جئت أم ماشيًا " کیاتم سوار ہوکر آئے یا پیدل۔

ظرف کے بارے میں اس طرح پوچھا جاتا ہے۔ " أيومَ الخميس قدمتَ أمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ" تم جمعرات کو آئے یا جمعہ کے دن۔ اسی طرح دوسرے سوالات میں سوال ہوتا ہے۔

نوٹ: بعض اوقات معادل کا ذکر نہیں ہوتا۔ جیسے أأنتَ فعلتَ هذا. کیاتم نے یہ کام کیا۔ (دوسرے آدمی کا ذکر نہیں)

أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الأَمْرِ کیاتم اس کام میں رغبت نہیں رکھتے (دوسرے عمل یعنی رغبت رکھنے کا ذکر نہیں)

أ إيَّايَ تَقْصُدُ۔ کیاتم میرا قصد کرتے ہو (دوسرے آدمی یعنی معادل) کا ذکر نہیں ہے)

أَرَاكِبًا جِئْتَ۔ کیاتم سواری کی حالت میں آئے (پیدل چلنے کا ذکر نہیں)

أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ ۔کیاتم جمعرات کو آئے (جمعہ کا ذکر نہیں)

پہلی مثالوں میں ام کے بعد جن لوگوں یا کاموں کا ذکر تھا اور دوسری مثالوں میں ان کا ذکر نہیں ہوا ان کو معادل کہتے ہیں۔

تصدیق میں مسؤل عنہ:۔

تصدیق میں نسبت کا سوال ہوتا ہے۔ اور اس کا کوئی معادل نہیں ہوتا اور اگر اس کے بعد حرف " أمْ " آئے تو اسے "ام منقطعہ" سمجھا جائے گا اور وہ حرف " بَلْ " (بلکہ) کا

سی دے گا۔

هَلْ :

حرف هل صرف طلبِ تصدیق کے لیے آتا ہے جیسے۔

هل جاء صديقك۔ کیا تیرا دوست آیا؟

اس کے جواب میں "نعم" (ہاں) یا "لا" (نہیں) کہا جاتا ہے۔اس لیے اس کے ساتھ معادل کا ذکر منع ہے پس یوں نہیں کہا جاتا هَلْ جَاءَ صَدِيْقُكَ اَمْ عَدُوُّكَ۔ کیا تیرا دوست آیا یا تیرا دشمن؟۔

هل کی دو قسمیں ہیں

(۱) هل بسیطہ (۲) هل مرکبہ

اگر هل کے ذریعے کسی چیز کے وجود فی نفسہ کو سمجھنا مطلوب ہوتو اسے هل بسیطہ کہتے ہیں۔جیسے هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُوْدَةٌ ۔ کیا عنقاء پرندہ موجود ہے۔اور اگر هل کے ذریعے کسی چیز کا دوسرے چیز کے لیے وجود معلوم کرنا ہوتو اسے هل مرکبہ کہتے ہیں۔جیسے هَلْ تَبِيْضُ الْعُنْقَاءُ وَتُفْرِخُ ۔ کیا عنقاء پرندہ انڈے اور بچے دیتا ہے۔

مَا :

(۱) حرف مَا کے ذریعے کسی اسم کی تشریح طلب کی جاتی ہے جیسے مَا الْعَسْجَد یا مَا اللُّجَيْنُ ۔ مسجد کیا ہے یا لجین کیا ہے۔جواب میں مشہور لفظ آئے گا اور وہ ذهب (سونا) اور فضة (چاندی) ہے کیونکہ (العسجد سونے کو اور اللجین چاندی کو کہتے ہیں)

(۲) مَــا کے ذریعے مسمّٰی کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔جیسے مَــا الاِنْسَانُ انسان کی حقیقت کیا ہے (جواب میں حیوان ناطق کہا جائے گا)

(۴) یا حقیقت کے ساتھ حال کے بارے میں سوال کے لیے مــــا استعمال ہوتا ہے جیسے مَا اَنْتَ تو کیا ہے (یعنی عالم ہے یا جاہل؟)

مَنْ:

اس اسم کے ذریعے عقلاء (عقل والوں) کا تعین مطلوب ہوتا ہے جیسے مـــن فتح مصر ۔ مصر کو کس نے فتح کیا (فتح کرنے والے انسان ہوتے ہیں جن کو عقلاء (عقل والے) کہا جاتا ہے)

مَتیٰ:

متیٰ کے ذریعے تعینِ زمانہ کا سوال کیا جاتا ہے زمانہ ماضی ہو یا مستقبل جیسے "مَتیٰ جِئْتَ" تو کب آیا۔ اور "مَتیٰ تَذْهَبُ" تو کب جائے گا۔

اَیَّانَ:

اَیَّـانَ سے خاص مستقبل کا تعین مطلوب ہوتا ہے اور یہ خوف دلانے کے مقام پر ہوتا ہے۔

جیسے "یَسْاَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَة" وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔

کَیْفَ:

کَیْفَ کے ذریعے حال دریافت کیا جاتا ہے۔ جیسے "کَیْفَ اَنْتَ" تمہارا کیا حال ہے؟

اَیْنَ:

اَیْنَ کے ذریعے مکان کا تعین مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے " اَیْـنَ تَـذْهَبُ" تو کہاں جاتا ہے۔

ہمزہ دو باتوں یعنی ڈرانے یا نہ ڈرانے کی برابری بتانے کے لیے آیا ہے۔

(۲) نفی: جیسے هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۔احسان کا بدلہ نہیں مگر احسان ہے۔یہاں لفظ ھل نفی کے معنی میں ہے۔

(۳) انکار: جیسے اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ. کیا تم اللہ کے غیر کی پوجا کرتے ہو۔یہاں ہمزہ استفہام انکار (روکنے) کے لیے ہے یعنی غیر اللہ کو نہ پوجو۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی ہے۔(کافی نہ ہونے کا رد ہے)

(۴) امر: جیسے فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ. کیا تم باز آنے والے ہو۔مطلب یہ ہے کہ باز آ جاؤ۔ "ءَاَسْلَمْتُمْ" کیا تم اسلام لائے یعنی اسلام لاؤ۔

(۵) نہی: جیسے اَتَخْشَوْنَهُمْ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ. کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو۔یعنی ان لوگوں سے نہ ڈرو۔

(۶) شوق دلانا: هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ. کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی راہنمائی نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔(یہاں شوق دلایا گیا)

(۷) تعظیم: جیسے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ. کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے (یہاں من عظمت کے لیے ہے استفہام کے لیے نہیں)

(۸) تحقیر: (حقیر قرار دینا) جیسے اَهٰذَا الَّذِیْ مَدَحْتَهٗ کَثِیْرًا کیا اس شخص کی میں نے بہت زیادہ تعریف کی۔یعنی یہ حقیر ہے اس قابل نہیں۔

(۹) تہکم (مذاق) جیسے اَعَقْلُکَ یُسَوِّغُ لَکَ اَنْ تَفْعَلَ کَذَا ۔کیا تیری عقل تیرے لیے ایسا کام کرنا جائز قرار دیتی ہے۔(عقل کا مذاق اڑایا جا رہا ہے)

(۱۰) تعجب: جیسے مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ. اس

رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (استفہام نہیں بلکہ تعجب کا اظہار ہے)

(۱۱) گمراہی پر خبردار کرنا: جیسے فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ تم کہاں جارہے ہو۔ (یعنی یہ راستہ گمراہی کا ہے)

(۱۲) وعید (ڈرانا) جیسے اَتَفْعَلُ کَذَا وَقَدْ اَحْسَنْتُ اِلَیْکَ. کیا تم یہ کام کرتے ہو حالانکہ میں نے تم پر احسان کیا۔ (یہاں اس کام سے ڈرایا گیا)

تمنی:

کسی محبوب چیز کی طلب کرنا جس کے حصول کی امید نہ ہو یا اس لیے کہ وہ محال ہے یا اس کا واقع ہونا بعید ہے جیسے۔

اَلاَ لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ یَوْمًا
فَاُخْبِرُهٗ بِمَا فَعَلَ الْمَشِیْبُ

سنو! کاش کسی دن جوانی لوٹ آئے۔ پس میں اسے بتاؤں گا کہ جوانی نے کیا کیا (جوانی کا واپس آنا محال ہے) دوسری مثال تنگ دست آدمی کا یہ قول۔

لَیْتَ لِیْ اَلْفَ دِیْنَارٍ. کاش میرے پاس ایک ہزار دینار ہوتے۔ تنگدست آدمی کے لیے ایک ہزار دینار کا حصول بہت مشکل اور بعید الوقوع ہے۔ محال نہیں ہے۔ اگر کسی بات کے حصول کی توقع ہو تو اس کا انتظار ترجی کہلاتا ہے۔ اور اسے عسی یا لعل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسے لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا. امید ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کر دے۔

حروف تمنی:

حروف تمنی چار ہیں۔ جن میں سے ایک اصلی اور تین غیر اصلی ہیں۔

لَیْتَ (اصلی) هَلْ، لَوْ، لَعَلَّ (تینوں غیر اصلی ہیں)

مثالیں:

(۱) لَیْتَ کی مثال بیان ہو چکی ہے۔

(۲) هَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءِ فَیَشْفَعُوْا لَنَا تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں۔ (یہاں شفاعت کی تمنا ہے)

(۳) "فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" پس اگر ہمارے لیے لوٹنا ہوتا تو ہم مومنوں میں سے ہو جاتے۔ (واپسی کی تمنا کی جا رہی ہے)

(۴) اَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ یُعِیْرُ جَنَاحَهُ

لَعَلِّیْ اِلٰی مَنْ قَدْ هَوِیْتُ اَطِیْرُ

اے چڑیوں کی جماعت! کیا کوئی آپنے بازو ادھار دے گا تا کہ میں اپنے محبوب کی طرف اُڑ سکوں۔ (یہاں لعل تمنا کے لیے ہے)

نوٹ: جب یہ الفاظ تمنی میں استعمال ہوں تو جواب میں واقع ہونے والا مضارع منصوب ہوتا ہے جیسے "فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" میں فَنَکُوْنَ کا آخر منصوب ہے۔

ندا:

ایسے حرف کے ساتھ جو اَدْعُوْ (میں بلاتا ہوں) کے قائم مقام ہو کے ساتھ توجہ طلب کرنا نداء ہے۔

حروف نداء:

حروف نداء آٹھ ہیں۔

(۱) یا (۲) ھمزہ (۳) ای (۴) آ (۵) آئ (۶) ایا (۷) ھیا (۸) وا۔ ہمزہ اور ای قریب کے لیے آتے ہیں اور باقی حروف دور کے لیے آتے ہیں۔

بعض اوقات دور والے کو قریب کی جگہ رکھتے ہوئے ہمزہ اور "ای" کے ساتھ ندا کی جاتی ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ منادی متکلم کے ذہن میں بہت زیادہ حاضر ہے۔ اس لیے حاضر کی طرح ہو گیا۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَسُکَّانَ نَعْمَانَ الاراکِ تَیَقَّنُوْا

بِاَنَّکُمْ فِیْ رَبْعِ قَلْبِیْ سُکَّانُ

اے نعمان اراک کے رہنے والو! یقین کرلو کہ تم لوگ میرے دل کے گھر میں بستے ہو۔

بعض اوقات قریب کو بعید کی جگہ رکھتے ہوئے اس کے لیے وضع کیے گئے حروف میں سے کسی ایک کے ساتھ پکارا جاتا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منادی کی بہت بڑی شان اور بہت بلند مرتبہ ہے حتی کہ اس کی درجہ میں دوری متکلم سے مسافت میں دوری کی طرح ہے جیسے کہا جائے۔ ایا مولای (اے میرے آقا) حالانکہ تم اس کے ساتھ ہو (لیکن "ایا" حرف ندا استعمال کیا جو بعید کے لیے ہے کیونکہ منادی یعنی مولا کا مقام بڑا ہے)

کبھی منادی کے درجہ انحطاط کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ایک آدمی تمہارے ساتھ ہو اور تم اَیَا ھٰذَا (اے وہ شخص) کہو یہاں اس کے درجہ کی کمی کی وجہ سے دور سمجھ کر ایا حرف نداء استعمال ہوا یا سامع کے غافل ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے مثلاً سونے یا ذھول (ذہن سے نکل جانے) کی وجہ سے گویا وہ مجلس میں حاضر نہیں ہے جیسے بھولنے والے کو یوں پکارا جائے اَیَا فُلَانُ وہ حاضر ہے لیکن حرف ندا اَیَا استعمال ہوا جو بعید

نے کے لیے ہے۔

حروف ندا کا اصلی معنی سے نکلنا

بعض اوقات ندا کے الفاظ اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی کے لیے آتے ہیں جو قرائن سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کسی ورزائی وغیرہ میں مدد چاہنا

جیسے ایک شخص ظلم کی شکایت کرتے ہوئے آئے تو اسے کہا جائے یا مَظْلُوْمُ (اے مظلوم)

(۲) زجر (جھڑکنا) جیسے

أَفُؤَادِيْ مَتَى الْمَتَابُ أَلَمَّا

تَصْحُ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِيْ أَلَمَّا

اے میرے دل توبہ کا وقت آگیا تو ہوش میں آجا اور بڑھاپا میرے سر پر اتر چکا ہے۔ (یہاں اپنے آپ کو جھڑکنے کے لیے پکارا)

(۳) حیرت اور بے قراری۔ جیسے

أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى أَيْنَ سَلْمَاكِ اے سلمیٰ کے مکان تیری سلمیٰ کہاں ہے

اس قسم کی ندا کھنڈرات اور سواریوں وغیرہ کو زیادہ ہوتی ہے۔

(۴) حسرت اور درد بیان کرنے کے لیے جیسے

أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ كَيْفَ وَارَيْتَ جُوْدَهُ

وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتْرَعَا

اے معن کی قبر تو نے اس کی سخاوت کو کس طرح چھپا لیا حالانکہ خشکی اور سمندر اس کی سخاوت سے بھرے ہوئے تھے۔

(۵) یاد کرنے کے لیے: جیسے

اَیَا مَنْزِلَیْ سَلْمیٰ سَلَامٌ عَلَیْکُمَا

هَلِ الْاَزْمُنُ اللَّاتِیْ مَضَیْنَ رَوَاجِعُ

اے سلمیٰ کی دونوں منزلو! تم دونوں پر سلام۔ کیا تم میں گزرے ہوئے زمانے واپس لوٹنے والے ہیں۔

نشاء غیر طلبی:

انشاء غیر طلبی تعجب، قسم اور عقود کے صیغوں جیسے بِعْتُ وَاشْتَرَیْتُ سے حاصل ہے۔ اور اس کے علاوہ (مثلاً افعال مدح وذم اور افعال مقاربہ سے) بھی حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ انشاء کی دوسری قسم غیر طلبی کا تعلق علم معانی کی مباحث سے نہیں اس لیے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ (انشاء کی بحث ختم ہوگئی)

ذکر و حذف

ذکر کے اسباب (وغیرہ)

وہ باتیں جو مسند الیہ کے ذکر کا تقاضا کرتی ہیں جبکہ ذکر نہ کرنے سے بھی اس کا علم ہوجاتا ہے۔

(۱) تقریر اور وضاحت کی زیادتی جیسے:

اُولٰئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

دوسرے اولئک کی جگہ ضمیر بھی آسکتی تھی لیکن زیادہ وضاحت کے لیے اسے دوبارہ لایا گیا۔

(۲) مسند الیہ پر دلالت کرنے والے قرینہ کی کمزوری کی وجہ اس پر اعتماد کم ہو یا سننے

والے کی سمجھ کمزور ہو تو مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

جیسے زَیْدٌ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن اسے سنے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہو یا اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کا بھی ذکر ہو تو اب ضمیر کی بجائے زید کا نام لیتے ہیں۔

جیسے

زَیْدٌ نِعْمَ الصَّدِیْقُ زید کیا اچھا دوست ہے (یہاں ھو نعم الصدیق بھی کہا جا سکتا تھا)

(۳) سامع کے غبی (کند ذہن) ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو جیسے پوچھا جائے مَاذَا قَالَ عُمَرُ (عمر نے کیا کہا) تو جواب میں "عمر قال کذا" کہا جائے حالانکہ "هُوَ قَالَ كَذَا" بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۴) سامع کو پکا کرنا تاکہ انکار نہ کر سکے جیسے حاکم گواہ سے پوچھے "هَلْ اَقَرَّ زَیْدٌ هٰذَا بِاَنَّ عَلَیْهِ كَذَا" کیا اس زید نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کے ذمہ فلاں چیز ہے۔ یہاں صرف "هٰذَا اَقَرَّ" ہو سکتا تھا لیکن یہاں قلمبند کرنے کے لیے اس کا نام ذکر کیا گیا۔

(۵) تعجب کے موقعہ پر: جب کوئی عجیب بات ہو تو جیسے علی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور اب اس کا نام لینے کی ضرورت نہیں لیکن نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً

عَلِیٌّ یُقَاوِمُ الاَسَدَ . علی مقابلے میں شیر سے آگے بڑھنے کا مقابلہ کرتا ہے۔

(۶) تعظیم و توہین کے لیے:۔ مثلاً پوچھا جاتا ہے کہ کیا قائد واپس آیا تو جواب میں قائد کی بجائے بطور تعظیم نام لیا جاتا ہے۔

مثلاً کہا جائے رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ (مدد کیا ہوا واپس ہوا) یا رَجَعَ الْمَهْزُوْمُ (شکست کھایا ہوا واپس ہوا) پہلی مثال تعظیم کی ہے اور دوسری مثال توہین کی ہے۔

حذف کے اسباب

(۱) غیر مخاطب سے بات کو پوشیدہ رکھنا۔

مثلاً علی کا آنا مراد ہو تو صرف " اقبل " کہا جاتا ہے " علی اقبل " نہیں کہا جاتا۔

اس صورت میں مخاطب کو معلوم ہے کہ علی آیا لیکن دوسروں سے چھپانے کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا گیا۔

(۲) مسند الیہ کو حذف کرتے ہیں تا کہ ضرورت پڑنے پر اس کا انکار کیا جا سکے۔ جیسے کہا جائے " لئیم ، خسیس " پہلے ایک خاص شخص کا ذکر ہوتا پھر اس کا ذکر کرتے وقت اس کا نام لے کر یہ نہیں کہا جاتا کہ " فلان لئیم " (فلاں کمینہ ہے) تا کہ اعتراض کے وقت کہا جا سکے کہ یہ بات فلاں کے بارے میں نہیں ہے۔

(۳) محذوف مسند الیہ کے بارے میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ متعین ہے اگر چہ دعویٰ ہی ہو۔

مثلاً " خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ " کے مسند الیہ " اللّٰہ " کو حذف کیا گیا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے اس لیے " اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ " کے شروع سے اسم جلالت " اللّٰہ " کو حذف کیا گیا۔

اسی طرح " وَھَّابُ ذھاب الاُلُوْفِ " بادشاہ ہزاروں روپے دینے والا ہے (یہ دعوی کی مثال ہے) سے السلطان کو حذف کیا گیا اور صرف " وَھَابُ الْاُلُوْفِ " کہا گیا کیونکہ دعوی یہ ہے کہ بادشاہ ایسا کرتا ہے لہذا بادشاہ متعین ہے۔

(۴) سننے والا آگاہ ہے یا کس قدر آگاہ ہے اس کی آزمائش کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے۔

"نُوْرُهُ مُسْتَفَادٌ مِنَ الشَّمْسِ"۔ اس کا نور سورج کی روشنی سے حاصل ہوا
یہاں نور القمر کی بجائے نُوْرُهُ کہا تا کہ معلوم کیا جائے کہ سامع کو اس بات کا علم ہے کہ کس
چیز کو سورج سے روشنی حاصل ہوتی ہے یا سامع کو معلوم نہیں ہے۔

(۵) درد کی وجہ سے کلام کے لیے وقت کم ہو تو مسندالیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے

قَالَ لِيْ كَيْفَ أَنْتَ قُلْتُ عَلِيْلٌ

سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيْلٌ

اس نے مجھے کہا تم کیسے ہو تو میں نے کہا بیمار ہوں طویل بیدار اور لمبا غم ہے۔
یہاں انا علیل میں بیمار ہوں کی بجائے صرف علیل کہا اور انا (مسندالیہ) کو حذف
کر دیا۔

یا فرصت کے ضائع ہونے کے خوف سے مسندالیہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے
شکاری کہتا ہے۔ "غزالٌ" (ہرن ہے) وہ "ذلک غزال" (وہ ہرن ہے) سے ذلک
کو حذف کر دیتا ہے۔

(۶) تعظیم کے لیے مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے تا کہ وہ بڑی شخصیت میری زبان
سے محفوظ رہے جیسے "نُجُوْمُ سَمَاءٍ" کہا جاتا ہے اور "هُمْ نُجُوْمُ السَّمَاءِ" نہیں کہتے
بلکہ "هُمْ" کو حذف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کسی کو حقیر جانتے ہوئے اپنی زبان کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے اس
کو حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے:

"هُمْ قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوْا أَخْفَوْا حَدِيْثَهُمْ" وہ ایک قوم ہے جب کھاتے ہیں تو
اپنی بات چھپاتے ہیں۔ یہاں هم (مبتدا یعنی مسندالیہ) کو حذف کر کے اپنی زبان کو ان
کے ذکر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

(۷) وزن شعر کی حفاظت کے لیے حذف کرتے ہیں۔

"نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَاَنْتَ بِمَا عِنْدَکَ رَاضٍ" ہم اس پر جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر جو تمہارے پاس ہے راضی ہو۔ یہاں عِنْدَنَا کے بعد "رَاضٍ" حذف کیا گیا ورنہ شعر کا وزن باقی نہ رہتا۔

سجع کی حفاظت کے لیے حذف کیا جاتا ہے جیسے:

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی: تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ یہاں "وما قلك" کی بجائے صرف "وما قلی" کہا ہے کاف ضمیر کو حذف کیا تا کہ دوسری آیات کے ساتھ مطابقت ہو۔

(۸) حذف کے ذریعے کلام کو مختصر کر کے عموم پیدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً "وَاللّٰهُ يَدْعُو اِلٰى دَارِ السَّلَامِ" اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے یہاں یہ نہیں بتایا کہ کس کو بلاتا ہے تو معمول کو حذف کر کے اشارہ کیا کہ تمام بندوں کو بلاتا ہے (یہ عموم ہے)۔

(۹) ادب کے لیے معمول کو حذف کرتے ہیں۔ جیسے:

قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَکَ فِي السُّوْدَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ. مثلاً ہم نے تلاش کیا لیکن سرداری، بزرگی اور اچھے اخلاق میں آپ کی مثل نہ پایا۔

یہاں "طَلَبْنَا لَکَ" ہونا چاہیے تھا لیکن ادب کے طور پر "لک" کو حذف کر دیا۔

(۱۰) متعدی کو لازم کی جگہ لانا کیونکہ معمول (مفعول) سے کوئی غرض متعلق نہیں ہوتی جیسے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں۔ یہاں یعلمون کا معمول حذف ہے کیونکہ مقصود عالم اور جاہل کے درمیان

فرق بتانا ہے کیا جانتے ہیں کیا نہیں جانتے اس سے کوئی غرض نہیں۔

نوٹ: فعل کے نائب فاعل کی طرف اسناد کو بھی حذف میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے فاعل سے یا فاعل پر خوف کی وجہ سے فاعل کو جاننے یا نہ جاننے کی وجہ سے فاعل کو حذف کیا گیا۔ جیسے: سرق المتاع. سامان چوری ہو گیا فاعل یعنی چور کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے خوف ہے یا اس کے لیے خوف ہے وغیرہ۔

خُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيْفًا. انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔ پیدا کرنے والے خالق (فاعل) کا ذکر نہیں کیا کیونکہ معلوم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے ان دونوں مثالوں میں فعل کو مجہول لا کر نائب فاعل (مفعول) کی طرف اسناد کی گئی ہے۔

تقدیم وتاخیر

یہ بات معلوم ہے کہ کلام کے تمام اجزاء کو بیک وقت بولنا ممکن نہیں۔ بلکہ بعض اجزاء کی تقدیم اور بعض کی تاخیر ضروری ہے اور ان الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ دوسرے لفظ سے پہلے ہونے میں ذاتی اعتبار سے کوئی حق نہیں رکھتا کیونکہ تمام الفاظ اس اعتبار سے کہ الفاظ ہیں معتبر ہوتے ہیں لہذا کسی لفظ کو دوسرے لفظ پر مقدم کرنے کا کوئی سبب ہونا چاہیے اور وہ اسباب یہ ہیں۔

اسبابِ تقدیم وتاخیر

(۱) دوسرے جملہ کا شوق دلانا: جب پہلا جزء جملہ کسی عجیب بات کی خبر دے تو دوسرے جملہ جزء کو جاننے کا شوق ہوتا ہے جیسے۔

وَالَّذِیْ حَارَتِ الْبَرِیَّۃُ فِیْهِ

حَیَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادِ

وہ چیز جس میں مخلوق حیران ہوتی ہے وہ ایک جاندار چیز کا بے جان سے پیدا ہونا ہے تو پہلے جزء (مبتداء) میں حیران کن بات کی خبر ہے اور دوسرے جزء (خبر) میں اس بات کا ذکر ہے اس لیے پہلے جزء سے اس چیز کو جاننے کا شوق پیدا ہوا۔

(۲) خوشی یا رنج کی جلدی: خوشی یا رنج کے سلسلے میں مسندالیہ کو مقدم کیا جاتا ہے جیسے

اَلْعَفْوُ عَنْکَ صَدَرَ بِهِ الاَمْرُ اَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِیْ

تیری طرف سے معافی کا حکم ہوا یا قاضی نے قصاص کا حکم دیا

یہاں "العفو" کے لفظ کو خوشی کی وجہ سے مقدم کیا اور رنج کی وجہ سے "القصاص" کو مقدم کیا۔

(۳) متقدم جملہ کا محل انکار و تعجب ہونا:

جب مقدم ہونے والے جملہ میں انکار و تعجب ہو تو اس کے مقدم ہونے کی وجہ یہی انکار و تعجب ہے۔ جیسے

اَبَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ

طویل تجربہ سے بات بعید ہے کہ تم ان من گھڑت باتوں سے دھوکہ کھاؤ۔

تو یہاں تجربہ کی طوالت کا ذکر پہلے ہوا کیونکہ یہ محل انکار ہے۔

(۴) ترقی کے راستے پر چلنا:

ترقی کے راستے پر چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ عام کو پہلے لایا جاتا ہے پھر خاص کو کیونکہ خاص کے بعد عام کو لانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے

هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيْحٌ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ۔ یہ کلام صحیح فصیح بلیغ ہے۔

اگر فصیح بلیغ کہتے تو اب صحیح کہنے کی ضرورت باقی نہ رہتی اسی طرح

اگر بلیغ کا لفظ پہلے لاتے تو فصیح کہنے کی ضرورت نہ رہتی۔ کیونکہ بلیغ میں صحیح اور فصیح دونوں شامل ہیں اور بلیغ میں فصیح شامل ہے اس لیے جب بلیغ کہا تو فصیح کا ذکر ہوا اور فصیح کہا تو صحیح کا ذکر خود بخود ہو گیا۔

(۵) ترتیب وجودی کی رعایت: جیسے

لا تاخذہ سنۃ و لا نوم ۔ اسے (اللہ تعالیٰ کو) اونگھ اور نیند نہیں آتی

چونکہ وجود میں اونگھ پہلے اور نیند بعد میں ہے اس لیے اسی ترتیب سے ذکر کیا گیا۔

(٦) عموم سلب یا سلب عموم پر صراحت:

پہلی صورت یعنی جب سلب کا عموم ہو تو اس میں عمومیت کے الفاظ نفی کے الفاظ سے مقدم ہوتے ہیں جیسے

كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ . کچھ بھی نہیں ہوا

یعنی نہ یہ ہوا اور نہ وہ۔ لفظ "کل" عموم کے لیے ہے اور لفظ لم نفی کے لیے۔

اس لیے لفظ "کل" مقدم اور لفظ "لم" مؤخر ہے۔

اور جب سلب عموم ہو یعنی عمومیت کو ختم کیا جائے تو اس میں نفی کے الفاظ مقدم اور عموم کے الفاظ مؤخر ہوتے ہیں جیسے:

لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ . یہ سب کچھ نہیں ہو یعنی یہ مجموع نہیں ہوا

اس میں بعض کے ثابت رہنے کا بھی احتمال ہے اور ہر فرد کی نفی کا احتمال بھی ہے۔

(۷) حکم کو مضبوط کرنا:

جب خبر فعل ہو تو فاعل کو مقدم کرتے ہیں جیسے: اَلْهِلَالُ ظَهَرَ . چاند ظاہر ہوا

یہاں الھلال کو مقدم کیا اور فعل کو مؤخر۔ اور یہ بات اسناد کے تکرار سے حاصل ہوئی ہے۔

(۸) تخصیص کے لیے

یعنی تخصیص کے لیے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا جاتا ہے جیسے: ایاک نعبد ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اگر نَعْبُدُ اِیَّاکَ ہوتا تو تخصیص ثابت نہ ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ثابت ہوتی لیکن کسی اور سے نفی نہ ہوتی۔

(۸) وزن یا سجع کی حفاظت:

یعنی مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنے کی وجہ وزن اور سجع کی حفاظت ہے جیسے:

اِذَا نَطَقَ السَّفِیْہُ فَلَا تُجِبْہُ
فَخَیْرٌ مِنْ اِجَابَتِہٖ السُّکُوْتُ

جب بے وقوف آدمی بات کرے تو اسے جواب نہ دو کیونکہ اسے جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ تو یہاں السکوت مبتدا کو مؤخر اور فخیر خبر کو مقدم کیا تاکہ وزن شعر برقرار رہے۔

سجع کی مثال یہ ہے

خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ۔

اس جہنمی کو پکڑو اس کے گلے میں طوق ڈالو پھر اسے جہنم میں داخل کردو اور اسے ایسی زنجیر سے جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز کی ہو۔

اس میں الجحیم کو فعل صلوہ پر مقدم کیا اسی طرح ثم فی سلسلۃ کو فعل یعنی فاسلکوہ پر مقدم کیا۔

نوٹ: تقدیم وتاخیر کے لیے الگ الگ باب بیان نہیں کیے کیونکہ جب جملہ کے دو رکنوں

ہیں سے ایک مقدم ہوتو دوسرا متاخر ہوگا پس یہ ایک دوسرے کو لازم ہوئے لہذا دونوں کا اکٹھا ذکر کیا۔

تعریف وتنکیر

جب مخاطب کو سمجھانے سے غرض کسی معین کے ساتھ کلام کو مربوط کرنا (ملانا) ہوتو یہ مقام تعریف ہے اور جب اس سے غرض متعلق نہ ہوتو یہ مقام تنکیر ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ ضمیر' علم' اسم اشارہ' اسم موصول' الف لام کے ساتھ معرفہ' ان مذکورہ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف اور منادیٰ' معرفہ کی اقسام ہیں۔

ضمیر:

جب کلام میں تکلم' خطاب یا غیبت کا مقام ہواور اختصار بھی مطلوب ہوتو ضمیر لائی جاتی ہے۔ جیسے:

"اَنَـا رَجَـوْتُـکَ فِـیْ هٰذَا الْاَمْرِ" میں نے اس معاملے میں تجھ سے امید رکھی ہے (حالت تکلم میں انا ضمیر ہے)

اَنْتَ وَعَدْتَّنِیْ بِاِنْجَازِہٖ. تو نے مجھ سے بات کو پورا کرنے کا وعدہ کیا (یہاں انت ضمیر ہے جو خطاب کے لیے ہے اور بانجازہ میں ہ ضمیر غائب کی ہے)

نوٹ: خطاب میں اصل یہ ہے کہ مخاطب سامنے ہواور معین ہو لیکن بعض اوقات ایسے شخص کو خطاب کیا جاتا ہے جو دکھائی نہیں دیتا اور سامنے نہیں ہوتا لیکن دل میں حاضر ہوتا ہے۔

جیسے: اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔

اور کبھی غیر معین شخص کو خطاب کیا جاتا ہے جب کہ ہر اس آدمی سے خطاب مقصود

ہو جیسے خطاب کیا جا سکتا ہے جیسے اَللَّئِیْمُ مَنْ اِذَا اَحْسَنْتَ اِلَیْهِ اَسَاءَ اِلَیْکَ. وہ شخص کمینہ ہے کہ جب تم اس سے نیکی کرو تو وہ تم سے برائی کرے۔ یہاں "احسنت اور الیک" میں خطاب عام ہے کسی معین شخص کو نہیں۔

عَلَم:

عَلَم کو اس لیے لایا جاتا ہے کہ سننے والے کے ذہن میں اس کے معنی کو خاص نام کے ساتھ حاضر کیا جائے۔ جیسے

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل۔ اور جب حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ یہاں ابراھیم اور اسماعیل ان شخصیتوں کے نام ہیں جن کا ذکر مقصود ہے۔ بعض اوقات اس کے ساتھ دوسری اغراض بھی ہوتی ہیں مثلاً:

(۱) تعظیم: جیسے رَکِبَ سَیْفُ الدَّوْلَةِ. سیف الدولہ سوار ہوا یہاں سیف الدولہ (عَلَم) تعظیم کے لیے ذکر کیا۔

(۲) اہانت (توہین کرنا) جیسے ذَھَبَ صَخْرٌ (فخر چلا گیا) یہاں صخر عَلَم ہے اور اس کی اہانت مقصود ہے۔

(۳) کنایہ: کسی ایسے معنی سے کنایہ کرنا وہ جس کے لائق ہے۔ جیسے تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ. ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ لہب کا معنی شعلہ ہے تو ابولہب جہنم کے لائق تھا اس لیے یہ عَلَم ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔

اسم اشارہ:

اسم اشارہ اس وقت لاتے ہیں جب اس کے معنی کو حاضر کرنے کا یہی طریقہ ہو

(کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو) جیسے کسی چیز کا نام اور وصف معلوم نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ کرکے کہیں گے۔

بِعْنِی ھٰذَا یہ چیز مجھ پر بیچو

چونکہ یہاں نام لے کر یا وصف بیان کرکے بتانا ممکن نہیں لہذا اشارہ کیا۔اور اگر یہ طریقہ (اشارہ) معین نہ ہو (بلکہ کوئی اور طریقہ بھی ہو) تو اشارہ دیگر اغراض کے لیے ہوتا ہے مثلاً:

(۱) کسی نادر وغریب حکم کو ظاہر کرنا جیسے:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذَا الَّذِیْ تَرَکَ الاَوْهَامَ حائرة وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النَّحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا

کتنے بڑے بڑے عقلمند ہیں جن کے ذرائع معاش بند ہو گئے اور کتنے جاہل ہیں کہ تم ان سے خوشحالی کی حالت میں ملتے ہو یہ وہ چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا اور ماہر عالم کو بے دین کر دیا۔

چونکہ عقلمند کا بھوکا اور جاہل کا مالدار ہونا تعجب خیز بات ہے اسے ظاہر کرنے کے لیے اسم اشارہ ''ھذا'' لایا گیا۔

(۲) کمال عنایت: بعض اوقات اسم اشارہ کے ذریعے کمال عنایت مراد ہوتا ہے جیسے

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ

وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) وہ شخص ہیں جن کی رفتار کو عرب کی پتھریلی زمین پہچانتی ہے بیت اللہ شریف اور حل وحرم کو بھی اس کی پہچان ہے۔

یہاں ھذا کے ذریعے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان کی طرف

متوجہ کیا گیا کہ زمین اور پتھر بھی آپ کی پہچان رکھتے ہیں۔

(۳) قرب و بعد میں حالت کا بیان: جیسے

هٰذا یُوْسُفُ' یہ یوسف ہے۔ ذاکَ اَخُوْکَ' وہ تیرا بھائی ہے ذٰلکَ غُلامُہٗ' وہ اس کا غلام ہے۔ قریب کے لیے ھذا' درمیانے فاصلہ کے لیے ذاک اور بعید کے لیے ذلک استعمال ہوا۔

(۴) تعظیم کے لیے: جیسے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

بے شک یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو زیادہ سیدھا ہے۔

یہاں قریب کا اشارہ تعظیم کے لیے استعمال ہوا کہ قریب ہونے کے باوجود اس کی طرف اشارہ کیا۔ اور ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ اگر چہ کتاب قریب ہے لیکن تعظیم کی خاطر بعید کا اشارہ کیا یعنی مرتبہ کے اعتبار سے دور (یعنی بلند) ہے

(۵) تحقیر کے لیے: جیسے اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ

کیا یہ شخص تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔

یہاں قریب کا اشارہ توہین کے لیے استعمال ہوا اور فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ 'تو وہ شخص جو یتیم کو دھتکارتا ہے اگر چہ قریب ہے لیکن حقیر قرار دیتے ہوئے بعید کا اشارہ استعمال کر کے اس کے دور ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

اسم موصول

جب سامع کے ذہن میں معنیٰ کو حاضر کرنے کے لیے موصول کا طریقہ ہی متعین ہو تو اس وقت موصول لایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کل تمہارے ساتھ سفر کیا اور اس کا نام معلوم نہ ہو تو کہا جاتا ہے۔

اَلَّذِیْ کَانَ مَعَنَا اَمْس مُسَافِرٌ   وہ شخص جوکل ہمارے ساتھ تھا وہ مسافر ہے

اور اگر اسم موصول والا طریقہ متعین نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا طریقہ بھی ہو تو اسم موصول کو دیگر اغراض کے لیے لایا جاتا ہے مثلاً:

(۱) تعلیل: (علت بیان کرنا) جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے مہمانی کے طور پر جنت الفردوس ہے۔

یہاں جنت میں جانے کی علت ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اور ان لوگوں کو اسم موصول الذین کے ساتھ بیان کیا۔

(۲) مخاطب کے غیر سے بات چھپانا: جیسے

وَاَخَذْتُ مَا جَادَ الاَمِيْرُ بِهٖ
وَقَضَيْتُ حَاجَاتِيْ کَمَا اَهْوٰى

میں نے وہ چیز لی جس کے ذریعے امیر نے سخاوت کی اور تم نے میری حاجتوں کو پورا کیا جیسا کہ میں نے خواہش کی۔

یہاں اس چیز کا نام نہیں لیا جو بادشاہ نے سخاوت یا میں نے خواہش کی بلکہ دونوں کی جگہ ما موصولہ استعمال ہوا تا کہ مخاطب کے علاوہ کسی کو اس چیز کا علم نہ ہو۔

(۳) غلطی پر تنبیہ کے لیے: جیسے

اِنَّ الَّذِيْنَ تَرَوْنَهُمْ اِخْوَانَكُمْ
يَشْفِيْ غَلِيْلَ صُدُوْرِهِمْ اَنْ تُصْرَعُوْا

بے شک جن لوگوں کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو ان کے دلوں کی پیاس کو یہ بات بجھاتی ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔

اس میں مخاطب کی غلطی پر اسے آگاہ کیا کہ جو تمہارے مخالف ہیں ان کو تم بھائی سمجھتے ہو الذین (اسم موصول) کی جگہ نام سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

(۴) محکوم بہ (خبر) کی عظمتِ شان کے لیے: جیسے

اِنَّ الَّذِیْ سمکَ السَّماءَ بنیٰ لَنا
بَیْتاً دعائمُہٗ اعزُّ و اَطْولُ

وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک ایسا گھر بنایا جس کے ستون بہت بڑے اور معزز ہیں۔

(۵) تعظیم یا تحقیر کی غرض سے ڈرنا: جیسے

فَغَشِیَھُمْ مِنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ اور ان پر (فرعون اور اس کے لشکر پر) سمندر سے وہ چیز چھا گئی جو ان پر چھا گئی۔ یہاں ما اسم موصول سے اس چیز کی بڑائی کی طرف اشارہ ہے۔

اور مَنْ لَّمْ یَدْرِ حَقِیْقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا قَالَ. جو شخص حقیقت کا علم نہیں رکھتا وہ کہتا ہے جو کچھ کہتا ہے۔ اس میں من اسم موصول کے ذریعے حقارت کی طرف اشارہ ہے (کہ اس کی بات کی کوئی وقعت نہیں)

(۶) تہکم یعنی استہزاء کے لیے: جیسے

یَا اَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْکَ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ. اے وہ شخص جس پر ذکر نازل ہوا بے شک تم مجنون ہو۔

یہاں اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اس کے ذریعے مذاق اڑایا گیا۔

معرف باللام

کسی اسم کو الف لام کے ساتھ معرفہ لانے کی چند اغراض ہیں۔

(۱) نفس جنس کی حکایت مطلوب ہو: جیسے

اَلاِنْسَانُ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ. انسان حیوان ناطق ہے۔ یہاں جنس انسان مراد ہے یعنی کوئی بھی انسان ہو خاص کوئی فرد مراد نہیں اسے الف لام جنسی کہتے ہیں۔

(۲) جنس کا کوئی خاص فرد مراد ہو اسکی تین صورتیں ہیں۔

(الف) اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو جیسے:

کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ. جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی۔ یہاں الرسول سے وہ رسول مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور وہ رسولا کا لفظ ہے۔

(ب) یا وہ معہود (خاص فرد) خود موجود ہے جیسے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا

(ج) یا سامع اسے جانتا ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے جیسے:

اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. جب صحابہ کرام درخت کے نیچے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر رہے تھے۔ تو اَلشَّجَرَةُ (درخت) کو سننے والا جانتا ہے۔ ان صورتوں میں الف لام عہدیہ کہلاتا ہے۔

(۳) جنس کے تمام افراد کا بیان ہوتا ہے: جیسے

اِنَّ الاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ: بے شک تمام انسان نقصان میں ہیں۔اس الف لام کوالف لام استغراقیہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ: بعض اوقات الف لام سے کسی فرد کے ضمن میں جنس مراد ہوتی ہے جیسے:

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِی

فَمَضَیْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لاَ یَعْنِیْنِی

میں کسی کمینے آدمی کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے گالی دیتا ہے پس میں وہاں سے گزر جاتا ہوں اور (اپنے آپ سے) کہتا ہوں کہ اس نے مجھے مراد نہیں لیا۔

یہاں اللئیم سے فرد مراد ہے لیکن معین نہیں لہذا کوئی بھی کمینہ ہو وہ مراد ہوگا۔

نوٹ: جب الف لام خبر پر داخل ہو تو قصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے: وھو الغفور الودود:

صرف وہی (اللہ تعالیٰ) بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے۔

یعنی زیادہ بخشش و محبت اس کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

معرفہ کے لیے مضاف

جب مضاف کے معنی کے لیے یہی طریقہ متعین ہو تو اس وقت اسے کسی معرفہ کی طرف مضاف کرتے ہیں جیسے:

کِتَاب سِیْبَوَیْہِ سیبویہ کی کتاب سَفِیْنَةُ نوحٍ، نوح علیہ السلام کی کشتی اور اگر یہ طریقہ متعین نہ ہو بلکہ اس کے تعارف کا کوئی دوسرا طریقہ بھی ہو تو دیگر اغراض کے لیے مضاف لایا جاتا ہے۔

اضافت کی اغراض

(۱) جب گنتی کرنا متعذر اور مشکل ہو جیسے:

اَجْـمَعَ اَهْلُ الْحَقِّ علٰی کَذا ۔ اہل حق نے فلاں بات پر اتفاق کیا چونکہ اہل حق بے شمار ہیں اور ان کے نام لینا مشکل ہے اس لیے اہل الحق کہا یعنی اہل کو حق کی طرف مضاف کیا تو سب کا ذکر ہوگیا۔

اَهْلُ الْبَلَدِ کِرَامٌ. شہر والے عزت والے ہیں۔

تمام شہریوں کے نام لے کر کہنا کہ فلاں فلاں عزت والے ہیں، مشکل ہونے کی وجہ سے اضافت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

(۲) بعض کی تقدیم سے بچنا: یعنی جب سب کا ذکر کیا جائے تو کسی کا نام پہلے اور کسی کا بعد میں لکھا جاتا ہے اس لیے اضافت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں جیسے:

حَضَرَ اُمَرَاءُ الْجُنْدِ ۔ لشکر کے امراء حاضر ہوئے

(۳) تعظیم کے لیے: مضاف یا مضاف الیہ یا ان دونوں کے غیر کی تعظیم کے لیے اضافت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

مضاف کی تعظیم جیسے:

کِتَـابُ السُّـلْطَـانِ حَضَـرَ ۔ بادشاہ کی کتاب حاضر ہے۔ یہاں کتاب کی عظمت ہے کہ بادشاہ کی طرف اضافت کی گئی۔

مضاف الیہ کی تعظیم جیسے:

هٰـذَا خَـادِمِیْ. یہ میرا خادم ہے۔ یہاں مضاف الیہ کی تعظیم ہے یعنی میں ایسی شخصیت ہوں کہ میرے ہاں خادم بھی ہے۔

دونوں کے غیر کی تعظیم۔ جیسے:

اَخُـوْ الْـوَزِیْرِ عِنْدِیْ. وزیر کا بھائی میرے پاس ہے۔ یہاں مضاف یعنی اخو اور مضاف الیہ یعنی وزیر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ ان کے غیر یعنی متکلم کی تعظیم ہے گویا متکلم اپنی

شان بیان کر رہا ہے کہ میرے پاس وزیر کا بھائی آیا ہے۔

(۴) حقارت بیان کرنے کے لیے:

مضاف یا مضاف الیہ یا ان کے غیر کی حقارت بتانے کے لیے اضافت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جیسے: "هذا ابنُ اللّصّ" یہ چور کا بیٹا ہے۔

اللِّصُّ رَفِيْقٌ هٰذا

یہاں مضاف کی تحقیر مقصود ہے کہ وہ چور کا بیٹا ہے۔

یہاں مضاف الیہ یعنی هـــذا کی تحقیر مقصود ہے کہ یہ ایسا گھٹیا آدمی ہے کہ اس کا ساتھی چور ہے۔

اَخُوْ اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو۔ چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے۔

یہاں مضاف اخو اور مضاف الیہ اللص کی حقارت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عمرو کی تحقیر مقصود ہے کہ یہ ایسا گھٹیا شخص ہے کہ اس کے پاس چور کا بھائی بیٹھا ہوا ہے۔

(۵) مقام کی تنگی کی وجہ سے اختصار کرنا۔ جیسے:

هَوَایَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ

جَنِيْبٌ وَجُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثَقُ

میرا محبوب یمنی سواروں کے ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ میں قید ہے۔

یہاں "اَلَّذِيْ هَوَاهُ" جس سے میں محبت کرتا ہوں کی بجائے اضافت کے ساتھ "هَوَای" کہا یعنی میرا محبوب کیونکہ وقت تنگ تھا لہذا مختصر گفتگو کی گئی۔

منادیٰ:

جب مخاطب کے لیے کوئی خاص عنوان معلوم نہ ہو تو ندا کی جاتی ہے جیسے:

"یَا رَجُلُ" "اے مرد" "یَا فَتیٰ" "اے نوجوان۔

بعض اوقات اس علت کی طرف اشارہ کے لیے خطاب کیا جاتا ہے جو اس سے مطلوب ہو۔ جیسے: یَاغُلَامُ اُحْضُرِ الطَّعَامَ. اے غلام کھانا لاؤ۔ یَا خَادِمُ اُسْرِجِ الْفَرَسَ. اے خادم گھوڑے پر زین کس دو۔ یہاں نام کی بجائے ایسے لقب سے خطاب کیا جو ان کاموں کے لیے سبب ہیں یعنی غلام یا خادم ہونا۔ یا کوئی ایسی غرض کے لیے ندا لائی جاتی ہے جس کا اعتبار یہاں ممکن ہو اور وہ اغراض میں سے ہو جن کا نداء کی بحث میں ذکر کیا گیا ہے۔

نکرہ

جب اس شخص کے بارے میں جس کا ذکر کیا جا رہا ہے تعریف کی کوئی جہت معلوم نہ ہو تو اسے نکرہ لاتے ہیں۔ جیسے: جَاءَ هٰهُنَا رَجُلٌ . یہاں مرد آیا۔

یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس آنے والے کا نام اور صلہ وغیرہ معلوم نہ ہو۔

نکرہ لانے کی کئی دوسری اغراض بھی ہیں:

اغراض نکرہ

درج ذیل اغراض کے لیے اسم کو نکرہ لایا جاتا ہے۔

(۱) کثرت وقلت بیان کرنا:

جیسے : لِفُلَانٍ مَالٌ. فلاں کے پاس بہت مال ہے۔

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے۔

مال کا نکرہ لانا بیانِ کثرت اور رضوان کا نکرہ لانا بیانِ قلت کے لیے ہے۔

(۲) عظمت و حقارت بیان کرنا: جیسے:

لَہٗ حَاجِبٌ عَنْ کُلِّ اَمْرٍ یَشِیْنُہٗ

وَلَیْسَ لَہٗ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

اس کے لیے ہر عیب والے کام سے رکاوٹ ہے لیکن نیکی کی طلب سے کوئی رکاوٹ نہیں۔

پہلے حاجب کا نکرہ لانا تعظیم کی خاطر ہے یعنی برائی سے روکنے والی بہت بڑی رکاوٹ ہے اور دوسرے حاجب کی تنکیر حقارت کے لیے ہے یعنی نیکی سے روکنے کے لیے معمولی حاجب (رکاوٹ) بھی نہیں ہے۔

(۳) نفی کے بعد عموم:

یعنی حرف نفی کے بعد نکرہ عمومیت کے لیے لایا جاتا ہے۔ جیسے مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ۔ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا نہیں آیا۔ یہاں حرف نفی مَا اور نکرہ لفظ بشیر ہے لہٰذا ہر قسم کے بشیر کی نفی ہوئی کیونکہ نکرہ نفی کے تحت عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

(۴) کسی معین فرد یا نوع کا قصد:

جیسے: وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَابَّۃٍ مِّنْ مَّاءٍ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے جانور کو ایک خاص پانی سے پیدا کیا۔

یہاں دابۃ کو نکرہ لا کر معین فرد کی طرف اشارہ کیا اور ماء کو نکرہ لا کر خاص نوع کی طرف اشارہ کیا گیا۔

(۵) کسی قائل کو پوشیدہ رکھنا:

یعنی مخاطب سے قائل کو چھپانا تا کہ وہ اسے اذیت نہ دے مثلاً یوں کہا جائے۔
قَالَ رَجُلٌ اِنَّکَ اِنْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ. ایک آدمی نے کہا کہ تم راہ راست سے بھٹک گئے ہو۔ یہاں کہنے والے کا نام نہیں لیا تا کہ مخاطب اسے اذیت نہ پہنچائے۔

اطلاق وتقیید

مطلق ومقید حکم

جب جملہ میں صرف مسند اور مسند الیہ کا ذکر ہو تو حکم مطلق ہوتا ہے اور جب ان دونوں پر کچھ زیادہ کیا گیا ہو چاہے وہ زائد ان دونوں یا ان میں سے ایک سے متعلق ہو تو اسے مقید کہتے ہیں۔

حکم کو مطلق ومقید لانا

جب کسی وجہ کے ساتھ حکم کو مقید کرنے سے کسی غرض کا تعلق نہ ہو تو حکم مطلق ہوتا ہے تا کہ سننے والا ہر ممکن طریقے کو اختیار کر سکے اور جب کسی خاص وجہ سے حکم کو مقید کرنا مطلوب ہو تو حکم کو مقید لایا جاتا ہے کیونکہ اس مطلوب کی رعایت نہ کی جائے تو فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تفصیل

حکم کو مفاعیل (مفعول کی جمع) وغیرہ (جیسے حال، تمیز اور استثناء) نواسخ، شرط، نفی اور تابع وغیرہ کے ذریعے مقید کیا جاتا ہے۔

نوٹ: نواسخ سے وہ افعال اور حروف مراد ہیں جو مبتدا اور خبر کے حکم کو زائل کر دیں جیسے

افعال ناقصہ وغیرہ۔ اور مفاعیل خمسہ یعنی پانچ مفعول مثلاً مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول فیہ اور مفعول معہ مراد ہیں۔

مفاعیل وغیرہ

مفاعیل وغیرہ سے حکم کو مقید کرنے کی وجہ فعل کی نوع بیان ہوتی ہے یا جس پر فعل واقع ہوا یا جس میں فعل واقع ہو یا جس کی وجہ سے فعل واقع ہو یا جس سے ملنے کی وجہ سے فعل واقع کا بیان ہوتا ہے یا حالت اور ذات کا ابہام دور کرنے کے لیے حال اور تمییز کی قید لائی جاتی ہے۔

نوعیت کی مثال: اَکْرَمْتُ اِکْرَامَ اَھْلِ الْعِلْمِ. میں نے اہل علم کی عزت کی طرح عزت کی (یہاں اکرام مفعول مطلق ہے جو نوع بتانے کے لیے ہے)

جس پر فعل واقع ہو مثلاً: قَرَأْتُ الْکِتَابَ. میں نے کتاب پڑھی (یہاں الکتاب (مفعول) کی قید ہے اور قرأت فعل الکتاب پر واقع ہوا)

جس میں فعل واقع ہو اس کی مثال۔ جَلَسْتُ فِیْ الْمَسْجِدِ. میں مسجد میں بیٹھا۔ (یہاں المسجد ظرف ہے اور بیٹھنے کا فعل مسجد میں واقع ہوا)

جس کے لیے فعل لایا گیا جیسے: ضَرَبْتُہٗ تَاْدِیْبًا. میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے مارا (یہاں ادب سکھانے کے لیے مارنے کا عمل واقع ہوا تادیبا مفعول لہ ہے)

مقارنت (ملنا) کی مثال: سِرْتُ وَطَرِیْقَ الْمَدِیْنَۃِ، میں شہر کے راستے پر چلا۔ (یہاں سرت فعل طریق المدینۃ کے ساتھ ملا ہوا ہے)

مبہم ہیئت کے بیان کے لیے حال کی قید ہوتی ہے جیسے: ضَرَبْتُ قَائِمًا میں نے مارا اس حال میں کہ میں کھڑا تھا۔ (یہاں مارنے کی حالت کا ابہام دور کیا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں مارا)

ذات کا ابہام دور کرنے کے لیے تمیز کی قید لگائی جاتی ہے: جیسے طِبْتُ نَفْسًا میں ذاتی طور پر خوش ہوا (اچھا ہوا) طبت کا ابہام دور کرنے کے لیے تمیز نفسا کا اضافہ کیا گیا۔

(۲) کبھی قید لانے کا مقصد حکم کی عدم شمولیت (عمومیت نہ ہو) بتانا ہے۔ جیسے جَاءَ نِیْ رَجُلٌ عالِمٌ۔ میرے پاس وہ آدمی آیا جو عالم ہے۔ عالم کی قید سے اس بات کو واضح کیا گیا کہ آنے میں عمومیت کو ختم کیا گیا۔

نوٹ: ان تمام صورتوں میں قیود کی حیثیت مقصودی ہوتی ہے اور ان کا فائدہ ہوتا ہے اور ان کے بغیر کلام جھوٹا یا ذاتی طور پر غیر مقصودی ہوتا ہے۔ جیسے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لَاعِبِیْنَ۔ (اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کو بے مقصد نہیں بنایا)

یہاں لَاعِبِیْنَ کی قید اصلی مقصد ہے اگر یہ نہ ہو تو کلام کاذب ہو جاتا ہے کیونکہ مقصداً آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی نفی نہیں بلکہ ان کے بے مقصد ہونے کی نفی ہے۔

نواسخ:

جملہ میں نواسخ کی قید ان اغراض کے لیے ہوتی ہے جن تک ان الفاظ کے معانی پہنچاتے ہیں۔ جیسے "کَانَ" میں استمرار یا زمانے کی حکایت۔ اسی طرح ظَلَّ، بَاتَ، اَصْبَحَ، اَمْسٰی، اَضْحٰی میں خاص زمانے کے ساتھ معین کرنا۔

دَامَ میں حالت معینہ کے ساتھ متعین کرنا کَادَ، کَرَبَ، اور اَوْشَکَ میں مقاربت (فعل کا قریب ہونا) وَجَدَ، اَلْفٰی، دَرٰی، تَعَلَّمَ، وغیرہ افعال قلوب میں یقین کا پایا جانا۔ یہاں جملہ اسم اور خبر یا دو مفعولوں سے منعقد ہو جاتا ہے۔ جب تم کہو ظَنَنْتُ زَیْدًا قَائِمًا میں نے زید کو کھڑا ہوتا گمان کیا تو معنی یہ ہوگا زید ظن کے طور پر کھڑا ہے تو یہاں جملہ دو مفعولوں زَیْدًا اور قَائِمًا سے بنا اور فعل ظن حکم کی قید ہے (کیونکہ زید قائم جملہ مکمل ہے)

شرط

شرط کے ساتھ کلام کو مقید کرنا ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جو کلماتِ شرط کے معانی ادا کرتے ہیں۔ جیسے:

مَتٰی اور اَیَّانَ میں زمانہ، اَیْنَ، اَنّٰی اور حَیْثُمَا میں مکان (جگہ) اور کَیْفَمَا میں حال کا معنی پایا جاتا ہے۔

نوٹ: اس کا مکمل بیان اور کلماتِ شرط کے درمیان فرق علم نحو میں ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہاں اِنْ، اِذَا اور لَوْ میں فرق بیان کیا جائے گا کیونکہ ان حروف میں کچھ ایسی زائد خصوصیات ہیں جو علم بلاغت میں شمار ہوتی ہیں۔

اِنْ اِذَا اور لَوْ میں فرق:

اِنْ اور اِذَا مستقبل میں شرط کے لیے آتے ہیں اور لَـــوْ ماضی میں شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور لفظ میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے معنی کے تابع ہوتا ہے پس اِنْ اور اِذَا کے ساتھ فعل مضارع اور لَوْ کے ساتھ فعل ماضی ہونا چاہیے۔ جیسے:

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَاءٍ کَالْمُهْلِ اور اگر وہ (دوزخی) پانی مانگیں تو انہیں تیل کی تلچھٹ کی طرح پلایا جائے گا۔

یَسْتَغِیْثُوْا مضارع کا صیغہ ہے جو اِنْ کے ساتھ آیا ہے

وَاِذَا تُرَدَّ اِلٰی قَلِیْلٍ تَقْنَعٗ : اور جب تھوڑی چیز کی طرف لوٹائے جائے تو تم قناعت کرو گے۔

یہاں ترد مضارع کا صیغہ ہے جو اذا کے ساتھ آیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ اَجْمَعِيْنَ : اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا۔

یہاں ھَدَا ماضی کا صیغہ ہے جو لَوْ کے ساتھ آیا ہے۔

اِنْ اور اِذَا میں فرق:

قاعدہ یہ ہے کہ اِنْ کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی نہیں اور اِذَا کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی ہے اسی لیے اِذَا کے ساتھ ماضی کا صیغہ زیادہ استعمال ہوتا ہے گویا شرط فعل کے ساتھ واقع ہوتی ہے جب کہ ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

مثلاً جب تم کہو: اِنْ اَبْرَا مِنْ مَرَضِی اَتَصَدَّقْ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ

اگر میں اپنی بیماری سے ٹھیک ہو گیا تو ایک ہزار دینار صدقہ کروں گا۔

تو تمہیں ٹھیک ہونے کا شک ہے (یقین نہیں)

اور جب تم کہو: اِذَا بَرَئْتُ مِنْ مَرَضٍ تَصَدَّقْتُ

جب میں بیماری سے ٹھیک ہوا تو صدقہ کروں گا

اس صورت میں تمہیں ٹھیک ہونے کا یقین ہے یا تم یقین والے کی طرح ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو امور کبھی کبھی واقع ہوتے ہیں ان کا ذکر ان کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اکثر واقع ہوتے ہیں ان کو اذا کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے: ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ

پس جب ان کے پاس بھلائی آتی تو کہتے ہمارے لیے ہے اور جب انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بد فالی لینے لگتے ہیں۔

یہاں اَلْحَسَنَةُ کا ذکر اذا اور صیغہ ماضی کے ساتھ ہے کیونکہ اچھائی کا حصول بکثرت تھا۔ اسی لیے اس پر الف لام جنسیت کا لایا گیا جس کے تحت تمام انواع آتی ہیں اور

سیئۃ نادر الوقوع ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر الف لام نہیں بلکہ وہ نکرہ برائے تقلیل ہے تو اس کا ذکر اِنْ اور مضارع کے ساتھ ہوا اور اس برائی سے قحط سالی مراد ہے تو اس آیت میں کافروں کا نعمتوں سے انکار کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سختی کرنے کا ذکر ہے جو واضح ہے۔

لَوْ کا استعمال

حرف لَوْ ماضی میں شرط کے لیے آتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ فعل ماضی ملا ہوا ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَاَسْمَعَهُمْ اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتا تو ان کو سنا دیتا

جملہ شرطیہ کا مقصود ذاتی

گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا کہ جملہ شرطیہ سے بالذات جواب (جوابِ شرط) مقصود ہے پس جب تم کہو۔

اِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ اَكْرَمْتُهٗ اگر زید نے کوشش کی تو میں اس کی عزت کروں گا

تو اس جملے میں تم اس بات کی خبر دے رہے ہو کہ تم زید کی عزت کرو گے لیکن اس صورت میں جب وہ کوشش کرے عام حالات میں نہیں لہذا اپنے جواب کے اعتبار سے جملہ شرطیہ جملہ خبریہ یا انشائیہ شمار ہوتا ہے۔

نفی کے ساتھ مقید

نفی کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجہ نسبت کو اس مخصوص طریقے پر سلب کرنا ہے جس کا فائدہ حروف نفی سے حاصل ہوتا ہے۔

حروف نفی

حروف نفی چھ ہیں: لَا ' مَا' اِنْ ' لَنْ ' لَمْ ' لَمَّا

لَا: مطلق نفی کے لیے آتا ہے۔

مَا اور اِنْ : اگر مضارع پر داخل ہوں تو زمانہ حال کی نفی کے لیے آتے ہیں۔

لَنْ: زمانہ مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے۔

لَمْ اور لَمَّا: ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں۔

لَمْ اور لَمَّا میں فرق

لَمَّا کے ذریعے نفی گفتگو کے زمانے تک کھینچتی ہے اور اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جن کا حصول متوقع ہو (جب کہ لَمْ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں) اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ : ابھی تک زید کھڑا نہیں ہوا پھر کھڑا ہوا اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں لما يَجْتَمِعُ النَّقِيْضَان ابھی تک دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں۔

چونکہ دو نقیضوں مثلاً رات اور دن کا جمع متوقع نہیں ہوتا اس لیے یہاں لَمَّا کے ساتھ لانا صحیح نہیں۔

یہ کہنا صحیح ہے: لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ وہ کھڑا نہیں تھا پھر کھڑا ہوا

اور یہ کہنا بھی صحیح ہے

اَلنَّقِيْضَان لَمْ يَجْتَمِعَا : دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں

لہذا نفی میں لَمَّا اسی طرح ہے جس طرح اثبات میں حرف قَدْ ہے جس طرح حرف قَدْ اثبات کو حال کے قریب کرتا ہے اسی طرح لَمَّا نفی کو حال کے قریب کرتا ہے۔

لہٰذا لَمَّا کے ذریعے جس بات کی نفی ہوتی ہو وہ حال سے قریب ہوتی ہے اس لیے یہ کہنا

درست نہیں ہوتا۔

لَمَّا یَجِیْءُ مُحَمَّدٌ فِیْ الْعَامِ الْمَاضِیْ   محمد گذشتہ سال میں نہیں آئے۔

کیونکہ اَلْعَامُ الْمَاضِیْ کی قید سے حال کا قرب زائل ہوا جب کہ لَمَّا میں حال

کا قرب ہوتا ہے۔

توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنا

توابع کے ساتھ حکم کو ان اغراض کے لیے مقید کیا جاتا ہے جو ان توابع سے مقصود

ہوتی ہیں۔

نعت: حکم کو نعت کے ساتھ مقید کرنے کی درج ذیل اغراض ہیں

﴿۱﴾ تمییز کے لیے:۔ جیسے حَضَرَ عَلِیٌ نِ الْکَاتِبُ. وہ علی حاضر ہوا جو کاتب ہے۔

یہاں اَلْکَاتِبُ نعت ہے جس نے حَضَرَ کے فاعل علی کو اس نام کے

دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا۔

﴿۲﴾ کشف (وضاحت) کے لیے۔ جیسے کہا جاتا ہے

اَلْجِسْمُ الطَّوِیْلُ الْعَرِیْضُ الْعَمِیْقُ یَشْغُلُ حَیِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ ۔

لمبا، چوڑا اور گہرا جسم فارغ جگہ کو گھیر لیتا ہے۔

یہاں اَلطَّوِیْلُ ، اَلْعَرِیْضُ اور اَلْعَمِیْقُ نعت ہے جس نے جسم کی وضاحت

کردی۔

﴿۳﴾ تاکید کے لیے: جیسے تِلْكَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ . یہ دس کامل ہیں۔

یہاں کَامِلَه ، عَشَرَہ کی نعت ہے جس سے عشرہ کی تاکید ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ مدح کے لیے: جیسے حضر خالدن اَلْهُمَامُ بلند ہمت والا خالد حاضر ہوا۔

یہاں اَلْهُمَامُ نعت ہے جس سے محض خالد کی تعریف مقصود ہے۔

﴿۵﴾ مذمت کے لیے: جیسے: وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اور ابولہب کی بیوی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔

یہاں اس کی برائی بیان کرنے کے لیے "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کو بطور نعت لایا گیا۔

﴿۶﴾ اظہار رحم کے لیے: جیسے اِرْحَمْ اِلَى زَيْدِنِ الْمِسْكِيْنَ زید مسکین پر رحم کرو

اَلْمِسْكِيْنُ نعت کے ذریعے زید پر رحم کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

عطف بیان:

عطف بیان درج ذیل مقاصد کے لیے آتا ہے

﴿۱﴾ محض توضیح: جیسے اَقْسَمَ بِاللهِ اَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ. ابوحفص عمر نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی۔

یہاں لفظ عُمَرُ عطف بیان ہے جس کے ذریعے وضاحت کی گئی کہ ابوحفص سے کون مراد ہے۔

﴿۲﴾ توضیح مع مدح: جیسے جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ

اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو عزت والا گھر ہے لوگوں کے امن کی جگہ بنایا۔

یہاں اَلْبَيْتَ الْحَرَام عطف بیان ہے جس میں الکعبہ کی وضاحت بھی ہے اور تعریف بھی۔

نوٹ: توضیح میں یہ بات کافی ہے کہ دوسرا اسم (عطف بیان) پہلے اسم کی وضاحت کرے

جب دونوں جمع ہوں اگر چہ دونوں کے الگ الگ ہونے کی صورت میں دوسرا اسم (عطف بیان) پہلے اسم سے زیادہ واضح نہ ہو جیسے عَلِیٌّ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ علی جو زین العابدین ہیں۔ اَلْعَسْجَدُ الذَّهَبُ عسجد یعنی سونا۔

ان دونوں مثالوں میں اجتماع کے وقت دوسرا اسم پہلے کی وضاحت کر رہا ہے کہ علی سے مراد حضرت زین العابدین ہیں اور عسجد سے سونا مراد ہے لیکن جب یہ الگ الگ ہوں تو وضاحت میں برابر ہوتے ہیں۔

عطف نسق

عطف نسق (جہاں حروف عاطفہ ہوں) ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جو حروف عاطفہ سے ادا ہوتی ہیں مثلاً حرف عطف فاء ہو تو ترتیب اور تعقیب ہوگی اور حرف عطف ثم ہو تو تاخیر بھی ہوتی ہے۔

بدل

بدل ثابت کو زیادہ پکا کرنے اور وضاحت کے لیے آتا ہے۔

مثالیں: بدل الکل: قَدِمَ اِبْنِیْ عَلِیٌّ۔ میرا بیٹا علی آیا

بدل البعض: سَافَرَ الْجُنْدُ اَغْلَبُهٗ۔ لشکر کے غالب جتھے نے سفر کیا

بدل الاشتمال: نَفَعَنِیْ الاُسْتَاذُ عِلْمُهٗ: مجھے استاذ کے علم نے فائدہ دیا

قصر

کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے سے خاص کرنا قصر کہلاتا ہے۔

قصر کی تقسیم

قصر کی دو قسمیں (۱) قصر حقیقی (۲) قصر اضافی

قصر حقیقی وہ قصر ہے جس میں واقع کے اعتبار سے اور حقیقتاً قصر ہو کسی دوسری چیز کی طرف اضافت کی وجہ سے نہ ہو۔

جیسے: لَا كَاتِبَ فِيْ الْمَدِيْنَةِ اِلَّا عَلِيٌّ شہر میں علی کے علاوہ کوئی کاتب نہیں۔

یہ اس وقت کہا جائے گا جب شہر میں علی کے سوا کوئی کاتب نہ ہو۔ گویا کتابت علی کے ساتھ حقیقتاً خاص ہے جب کسی معین شے کی نسبت سے اختصاص ہو تو اسے قصر اضافی کہتے ہیں۔ جیسے

مَا عَلِيٌّ اِلَّا قَائِمٌ: علی صرف کھڑا ہے۔

یعنی اس کے لیے کھڑے ہونے کی صفت ہے بیٹھنے کی صفت نہیں ہے (قیام کے علاوہ باقی) تمام صفات کی نفی مقصود نہیں ہے۔

پھر دونوں قسمیں دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں۔

(۱) قصر صفت علی الموصوف (۲) قصر موصوف علی الصفت

پہلی قسم کی مثال: لَا فَارِسَ اِلَّا عَلِيٌّ صرف علی گھوڑ سوار ہے۔

یہاں صفت گھوڑ سوار ہونا علی (موصوف) کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری قسم کی مثال: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ حضرت محمد ﷺ صرف رسول ہیں۔

یہاں موصوف یعنی حضرت محمد ﷺ رسالت کے ساتھ کے خاص ہیں۔ (معبود نہیں ہیں) لہٰذا آپ ﷺ کا وصال فرمانا جائز ہے۔

قصرِ اضافی کی اقسام

مخاطب کے حال کے اعتبار سے قصر اضافی کی تین اقسام ہیں۔

(۱) قصر افراد: جب مخاطب شرکت کا عقیدہ رکھتا ہو مثلاً: مَا اَنَا قُلْتُ۔ صرف میں نے نہیں کہا۔ مخاطب کا خیال تھا کہ متکلم اور اس کا غیر دونوں نہ کہنے میں شریک ہیں۔

۲) قصرِ قلب: جب مخاطب عکس کا اعتقاد رکھتا ہو مثلاً۔

اَنَا سَعَیْتُ فِیْ حَاجَتِكَ صرف میں نے تیری حاجت کے لیے کوشش کی ہے۔ مخاطب کا خیال تھا کہ متکلم کا غیر اس کی حاجت کو پورا کرنے میں سمجھا ہے۔ تو یہاں اس کا عکس ہو گیا یعنی صرف متکلم نے حاجت پوری کی یہ قصر قلب ہے۔

۳) قصر تعیین: جب مخاطب کسی ایک غیر معین کا اعتقاد رکھے۔ جیسے

ما سعی فی حاجتك الا زید زید نے تیری حاجت میں کوشش کی۔ مخاطب کو یہ معلوم تھا کہ کسی ایک نے کوشش کی لیکن وہ متعین نہیں اس سے وہ متعین ہو گیا۔

طُرقِ قصر

قصر کے کئی طریقے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) نفی و استثناء جیسے: اِنْ ھٰذَا اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ یہ تو محض فرشتہ ہے۔

(۲) اِنَّمَا جیسے: اِنَّمَا الْفَاھِمُ عَلِیٌّ ان میں سے سمجھدار تو صرف علی ہے۔

(۳) لَا، بَلْ اور لٰکِنْ کے ساتھ عطف جیسے: اَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ میں نثر کہنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں۔

مَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ کَاتِبٌ میں حساب کرنے والا نہیں ہوں صرف کاتب ہوں۔

(۴) موخر کو مقدم کرنا: جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

ایاك کا حق یہ تھا کہ وہ بعد میں ہو لیکن اسے مقدم کیا تا کہ حصر کا فائدہ دے یعنی تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

وصل اور فصل

کسی جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف وصل کہلاتا ہے اور اس عطف کا نہ ہونا فصل ہے یہاں صرف واو کے ساتھ عطف کی بحث ہوگی کیونکہ اس کے علاوہ حروف عاطفہ سے کسی قسم کا شبہ پیدا نہیں ہوتا اور واو کے ساتھ وصل اور (اس کے ترک کے ذریعے) فصل کے کئی مقامات ہیں۔

وصل کے دو مقام:

پہلا مقام: جب دونوں جملے خبر یا انشاء ہونے کے اعتبار سے باہم متفق ہوں یا ان دونوں کے درمیان کوئی جامع جہت ہو یعنی مناسبت تامہ ہو اور عطف سے کوئی بات مانع نہ ہو۔ جیسے:

إِنَّ الأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ بے شک نیک لوگ جنت میں اور بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

یہ دونوں جملے خبر ہیں اور دونوں کی درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ ابرار اور فجار کے درمیان تضاد ہے اور دونوں مسند الیہ ہیں اسی طرح مسند یعنی نعیم اور جحیم بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

دوسری مثال:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلاً وَّلْيَبْكُوا كَثِيراً پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

تو یہ جملہ انشائیہ کا انشائیہ پر عطف ہے۔ اور دونوں جگہ حکم الگ الگ ہیں لہذا عطف میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

دوسرا مقام: جب عطف کو چھوڑنے سے مقصود کے خلاف کا وہم ہو جیسے تم سے کوئی شخص

پوچھے کہ کیا علی بیماری سے صحت یاب ہو گیا ہے تو تم کہو گے۔ لَاوَشَفَاهُ اللهُ ۔نہیں (ٹھیک ہوا) اور اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے۔ یہ اس کے لیے دعا ہے اب اگر واو صرف عطف کو چھوڑ دیا اور کہا جائے لَا شَفَاهُ اللهُ تو یہ بددعا ہو جائے گی کیونکہ معنی یہ ہو گا اللہ تعالیٰ اسے شفا نہ دے حالانکہ مقصود دعا ہے۔

مقاماتِ فصل

پانچ مقامات میں فصل ضروری ہے۔ (یعنی حرف عطف نہیں لائیں گے)

پہلا مقام:

جب دونوں جملوں کے درمیان مکمل اتحاد ہو یعنی دوسرا جملہ پہلے جملے سے بدل ہو۔ جیسے
اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان چیزوں کے ساتھ مدد کی جنہیں تم جانتے ہو اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری مدد کی۔

یہاں اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۔ بدل ہے اور دونوں جملوں کے درمیان مکمل اتحاد ہے۔ لہٰذا واو عطف کو چھوڑنا ضروری ہوا۔

یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہو۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔
يُوَسْوِسُ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا اٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ۔
شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگا اس نے کہا اے آدم (علیہ السلام) کیا میں آپ کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس (کا پھل کھانے) سے آدمی ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

یہاں قَالَ اٰدَمُ سے آخر تک پہلے جملہ یعنی یوسوس کا بیان ہے کہ شیطان کا بھی

قول دسوسہ تھا۔

یا دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا کافروں کو چھوڑ دیجیے ان کو مہلت دیجئے۔

تو اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا پہلے جملہ کی تاکید ہے اسی بات کو پکا کرتا ہے جو پہلے جملہ میں مذکور ہے یعنی مہلت دو۔ اس مقام پر دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہوتا ہے۔

دوسرا مقام:

دونوں جملے بالکل ایک دوسرے کی ضد ہوں مثلاً ایک خبریہ اور دوسرا انشائیہ ہو جیسے:

وَقَالَ رَائِدُهُمْ اَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا

فَحَتْفُ كُلِّ امْرِءٍ يَجْرِيْ بِمِقْدَارِ

اور ان کے سربراہ نے کہا ٹھہر جاؤ ہم جنگ کا مقابلہ کریں گے پس ہر شخص کی موت مقرر وقت پر آتی ہے۔

یہاں "اَرْسُوْا" امر کا صیغہ ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے اور نزاولها جملہ خبریہ ہے۔ (نُزَاوِلُهَا جواب امر نہیں بلکہ اس کی تعلیل ہے اس لیے یہ مجزوم نہیں بلکہ مرفوع ہے)

یا دونوں جملوں کے درمیان کوئی معنوی مناسبت نہ ہو۔

جیسے عَلِيٌّ كَاتِبٌ۔ اَلْحَمَامُ طَائِرٌ علی کاتب ہے۔ کبوتر پرندہ ہے۔

یہاں علی کی کتابت اور کبوتر کے اڑنے میں کوئی معنوی مناسبت نہیں ہے اس موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال درجہ کا انقطاع ہے۔

تیسرا مقام:

دوسرا جملہ اس سوال کا جواب ہو جو سوال پہلے جملہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے:

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ اَنَّنِیْ فِیْ غَمْرَۃٍ

صَدَقُوْا وَلٰکِنْ غَمْرَتِیْ لَا تَنْجَلِیْ

ملامت کرنے والوں نے کہا کہ میں مدہوشی میں ہوں انہوں نے سچ کہا لیکن میری مدہوشی دور ہونے والی نہیں۔

پہلے جملہ میں سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا انہوں نے سچ کہا تو دوسرے جملہ میں اس کا جواب ہے کہ ہاں سچ کہا۔ اس مقام پر کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمالِ اتصال کا شبہ ہے۔

چوتھا مقام:

ایک جملہ سے پہلے ایسے دو جملے گزر جائیں کہ اس تیسرے جملہ کا ان میں سے کسی ایک پر عطف صحیح ہو کیونکہ انکے درمیان مناسبت ہے اور دوسرے پر عطف کرنا فاسد ہو۔ جیسے:

وَتَظُنُّ سَلْمٰی اَنَّنِیْ اَبْغِیْ بِهَا

بَدَلًا اُرَاهَا فِی الضَّلَالِ تَهِیْمُ

سلمٰی گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بدلے کسی اور کو چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔

یہاں تیسرے جملہ اُرَاهَا کا عطف تَظُنُّ پر درست ہے لیکن اَبْغِیْ پر عطف کے وہم کی وجہ سے یہ عطف نہیں ہوا۔ چنانچہ اس طرح وہ سلمٰی کے گمان میں شمار ہو جاتا ہے

حالانکہ یہ مقصود نہیں لہذا ان دونوں کا عطف نہیں کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جگہ دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمالِ انقطاع ہے۔

پانچواں مقام:

کسی رکاوٹ کی وجہ سے دو جملوں کو کسی ایک حکم میں شریک کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔ جیسے ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ۔

اور جب وہ اپنے شیطانوں کے ساتھ علیحدگی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق کا بدلہ دیتا ہے۔

یہاں "اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ" (جملہ) کا عطف "اِنَّا مَعَکُمْ" پر صحیح نہیں کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ یہ بھی منافقین کا قول ہو۔ اور قَالُوْا پر عطف کریں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول (اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ) اس وقت سے متعلق ہے جب وہ اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس جاتے ہیں ایسی جگہ دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہوتا ہے تو

مواضع فصل پانچ ہیں۔

(۱) کمالِ اتصال (۲) کمالِ انقطاع (۳) شبہ کمالِ اتصال

(۴) شبہ کمالِ انقطاع (۵) توسط بین الکمالین

ایجاز، اطناب اور مساوات

انسان کے دل میں جو معانی چکر لگاتے ہیں ان کو تین طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

﴿۱﴾ مساوات: مرادی معنی کو ایسی عبارت کے ساتھ ادا کرنا جو اس کے مساوی ہو مساوات کہلاتا ہے یعنی اس حد پر ہو جو درمیانے لوگوں کا عرف ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو بلاغت کے درجہ تک پہنچتے ہیں نہ اس حد تک گرے ہوئے ہیں کہ بات کو سمجھنے سے عاجز ہوں۔

جیسے: وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ۔

اور جب ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو۔

﴿۲﴾ ایجاز: عام لوگوں کے عرف سے ناقص عبارت کے ساتھ معنی کی ادائیگی کی جائے لیکن اس سے غرض بھی پوری ہوتی ہو۔

جیسے: قِفَا نَبْکِ مِنْ ذِکْرٰی حَبِیْبٍ وَّمَنْزِلٖ

تم دونوں ٹھہر جاؤ ہم محبوب کی یاد اور منزل پر رولیں۔

یہاں حَبِیْبِنَا اور مَنْزِلِہٖ تھا تو ضمیروں کو ہٹا کر کلام کو مختصر کر دیا لیکن مقصود پورا ہوگیا۔ اور غرض پوری نہ ہو تو اسے اِخلال کہتے ہیں جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَالْعَیْشُ خَیْرٌ فِیْ ظِلَا	لِ النَّوْکِ مِمَّنْ عَاشَ کَدًّا

خوش حال زندگی جو ناسمجھی کے سایوں میں ہو اس مشقت کی زندگی سے بہتر ہو جو عقل کے سائے میں ہو۔

مطلب یہ کہ آرام کی زندگی چاہے حماقت کے سائے میں ہو اس زندگی سے بہتر ہے جو عقل کے سائے میں ہو لیکن اس میں رنج والم ہو۔

﴿۳﴾ اطناب: معنی کی ادائیگی ایسی عبارت سے کرنا جو اس سے زائد ہو لیکن فائدہ مند ہو جیسے:

اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ اور سر کے بال سفید ہو چکے ہیں یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

یہاں اظہار مقصود کے لیے الفاظ بڑھائے گئے جیسے شَيْبًا وغیرہ اگر اس زائد عبارت کا کوئی فائدہ نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر زیادتی متعین نہ ہو تو یہ تطویل ہے۔ اور اگر متعین ہو تو اسے حشو کہتے ہیں۔

تطویل کی مثال: وَاَلْفٰی قَوْلَهَا كِذْبًا وَمَيْنًا اس نے اس کی بات کو جھوٹ پایا۔

یہاں مین کے معنی وہی ہیں جو کذب کے ہیں لہذا یہ بے مقصد اضافہ ہے۔

حشو کی مثال: وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ: میں آج کا علم بھی رکھتا ہوں اور گذشتہ کل کا بھی۔

تو یہاں اَمْسِ کا معنی گذشتہ کل ہے اس لیے قَبْلَهٗ زائد ہے۔

دواعی:

یعنی وہ امور جو کلام میں ایجاز اور اطناب وغیرہ کو چاہتے ہیں۔

ایجاز کا تقاضا کرنے والے (دواعی) درج ذیل امور ہیں۔

(۱) یاد کرنے کی آسانی (۲) سمجھ کے قریب کرنا

(۳) مقام کی تنگی (۴) کلام کے بعض حصے کو چھپانا

(۵) گفتگو کرتے کرتے تنگ آ جانا۔

ان امور کی وجہ سے کلام کو مختصر کیا جاتا ہے یہی ایجاز ہے۔

اطناب کے دواعی درج ذیل امور ہیں۔

(۱) معنیٰ کو ثابت کرنا (۲) مراد کی وضاحت کرنا

(۳) تاکید (۴) ابہام کو دور کرنا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر کلام کو لمبا کیا جاتا ہے۔اور یہی اطناب ہے۔

اقسام ایجاز

(۱) ایجازِ قصر (اختصار)

یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ چھوٹی عبارت زیادہ معانی پر مشتمل ہو اور اہل بلاغت کی توجہ کا مرکز یہی صورت ہے اور اسی سے بلاغت میں ان کی قدریں مختلف ہوتی ہیں اسے ایجاز قصر کہتے ہیں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے: وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيَاةٌ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے (اس عبارت میں معانی کا ایک سمندر ہے مثلاً قصاص سے پورا معاشرہ قتل و غارت گری سے بچ جاتا ہے وغیرہ وغیرہ)

(۲) ایجاز حذف:

کسی کلمہ یا جملہ یا اس سے زیادہ کلام کے حذف کی صورت میں ایجاز ہو اور محذوف کے تعین پر کوئی قرینہ بھی ہو تو اسے ایجاز حذف کہتے ہیں حذف کلمہ کی مثال۔امرؤ القیس کے اس شعر میں ''لا'' کا حذف ہے۔

فَقُلْتُ يَمِيْنُ اللّٰهِ اَبْرَحُ قَاعِدًا
وَلَوْ قَطَعُوْا رَاسِيْ لَدَيْكَ وَاَوْ صَالِيْ

میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں بیٹھا رہوں گے اگر چہ وہ میرے سر اور میرے جسم کے تمام جوڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

یہاں "لَا اَبْرَحُ" کا "لا" حذف کیا گیا۔

حذف جملہ کی مثال: ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو تحقیق آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

یہاں "فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ" محذوف ہے یعنی آپ ان کافروں سے مایوس ہو جائیے۔ اور صبر کیجئے۔

جملہ سے زائد حذف کی مثال: ارشاد خداوندی ہے

فَاَرْسِلُوْنِ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ یہاں معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے۔

اَرْسِلُوْنِيْ اِلٰى يُوْسُفَ لِاَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا فَفَعَلُوْهُ فَاَتَاهُ وَقَالَ لَهٗ يَا يُوْسُفُ

مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دو تاکہ میں ان سے خواب کی تعبیر معلوم کروں چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا اے یوسف! (علیہ السلام) (آخر تک)

نوٹ: یہاں ایک طویل عبارت محذوف ہے۔

اقسام اطناب:

اطناب کئی امور سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) عام کے بعد خاص کا ذکر: مثلاً کہا جائے۔

اِجْتَهِدُوْا فِيْ دُرُوْسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ اپنے اسباق بالخصوص لغت عربیہ میں خوب محنت کرو۔

اس کا فائدہ اس خاص کی فضیلت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے گویا وہ اپنی رفعت کی وجہ سے اپنے ماقبل کا غیر ہے۔

(۲) خاص کے بعد عام کا ذکر: جیسے ارشاد خداوندی ہے

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ .

اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور ان لوگوں کو جو مومنین میرے گھر میں داخل ہیں اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔

یہاں پہلے خاص کا ذکر کر کے پھر عام مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا تاکہ مخاطب کو خاص کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔

(۳) ابہام کے بعد وضاحت: جیسے ارشاد خداوندی ہے

اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ : اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کے ساتھ تمہاری مدد کی جسے تم جانتے ہو اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری مدد کی۔

یہاں "مَا تَعْلَمُوْنَ" میں جو بات پوشیدہ تھی "اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ" کے ذریعے اس کی وضاحت کی۔

(۴) توشیع: توشیع یہ ہے کہ کلام کے آخر میں تثنیہ لایا جائے جس کی تفسیر اور وضاحت دو کے ساتھ کی جائے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

اُمْسِی وَاُصْبِحَ مِنْ تِذْکَارِکُمْ وَصِبًا

یَرْثِی لِیَ الْمُشْفِقَانِ الاَھْلُ وَالْوَلَدُ

میری صبح اور شام تمہاری یاد اور عشق میں گزرتی ہے میرے دو مشفق یعنی بیوی اور بچے نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

یہاں اَلْمُشْفِقَانِ تثنیہ کے بعد اہل اولاد کا ذکر کر کے ان دو مشفقوں کی وضاحت کر دی۔

(۵) کسی غرض کے لیے تکرار: جیسے شاعر کے قول میں طول فصل (طویل فاصلہ)

وَاِنِ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِیْقُ عَھْدِہٖ

عَلٰی مِثْلِ ھٰذَا اِنَّہٗ لَکَرِیْمٌ

اگر کسی شخص کے عہد و پیمان ہمیشہ رہیں تو اس بنیاد پر کہا جائے گا کہ وہ شخص کریم ہے۔ یہاں اِمْرَأً اور لَکَرِیْمٌ کے درمیان طویل فصل کی وجہ سے انہ لا کر گویا امرأ کو تکرار کے ساتھ لایا گیا۔

اسی طرح معاف کرنے کی زیادہ ترغیب کے لیے تکرار کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچو اور ان کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو اور بخش دو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے

والا مہربان ہے۔

یہاں معاف کرنے کی ترغیب کے لیے تکرار کے ساتھ معاف کرنے، درگزر کرنے اور بخش دینے کا ذکر ہوا۔

ڈرانے کی تاکید کے لیے کلام میں تکرار لایا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم جان لوگے پھر، ہرگز نہیں عنقریب تم جان لوگے۔

(۶) اعتراض: یعنی کسی جملہ کے درمیان ایسے یا دو جملوں کے درمیان کوئی لفظ لانا جن جملوں کا آپس میں معنوی ربط اور تعلق ہو اور اسکی وجہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ جیسے:

اِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَبُلِّغْتَهَا

قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِيْ اِلٰى تَرْجُمَانِ

اسی سال کی عمر نے (اللہ کرے تمہیں بھی یہ عمر نصیب ہو) میرے کان کو ترجمان کا محتاج بنا دیا ہے۔

"وَبُلِّغْتَهَا" دعا کی غرض سے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهٗ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ

اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں (حالانکہ وہ اس سے پاک ہے) اور اپنے لیے جو چاہتے ہیں ٹھہراتے ہیں۔

یہاں سُبْحَانَهٗ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے کے لیے جملہ معترضہ ہے۔

(۷) ایغال: کلام کو ایسے لفظ یا جملہ پر ختم کرنا جو کسی غرض کا فائدہ دے جبکہ معنی اس کے بغیر بھی مکمل ہو جاتا ہے جیسے معروف عرب شاعر خنساء کا یہ قول

وَاِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهٖ

كَاَنَّهٗ عَلَمٌ فِیْ رَاْسِهٖ نَارٌ

بے شک تمام راہنما (میرے بھائی) صخر کی اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ جل رہی ہے۔

یہاں "فِیْ رَاْسِهٖ نَارٌ" مبالغہ کے لیے ہے ورنہ کانہ علم کہنے سے شاعر کا مقصود پورا ہو جاتا ہے۔

(۸) تذییل: ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ لانا جو پہلے جملہ کے معنی پر مشتمل ہو اور اس سے تاکید مقصود ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) دوسرا جملہ ضرب المثل کے قائم مقام ہو کیونکہ وہ اپنے معنی میں مستقل ہوتا ہے اور پہلے جملہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن مجید ہے میں ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہے۔

یہاں "اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" پہلے جملے کی تاکید ہے اور یہ خود مستقل معنی رکھتا ہے۔

(ب) دوسرا جملہ ضرب المثل کے قائم مقام نہ ہو کیونکہ وہ پہلے جملہ سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ

ہم نے ان کو ان کے کفر کے سبب سے یہ بدلہ دیا اور ہم یہ بدلہ صرف کفار اور ناشکرے لوگوں کو دیتے ہیں۔

یہاں "هَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ" پہلے جملے کی تاکید ہے لیکن معنوی اعتبار

سے اس سے بے نیاز نہیں ہے۔

(۹) احتراس: کسی کلام میں مقصود کے خلاف وہم ہو تو ایسا لفظ لانا جو اس وہم کو دور کرے احتراس کہلاتا ہے جیسے۔

فسقی دیارك غیرَ مفسدها

صوبُ الربیع ودیمةٌ تهمی

تمہارے علاقہ کو موسم بہار کی بارش اور موسلا دھار بارش سیراب کرے اور وہ کسی قسم کی خرابی ظاہر نہ کرے۔

یہاں یہ وہم تھا کہ تیز بارش زمین کو خراب کردے گا تو ''غیر مفسدها'' کے الفاظ سے اس وہم کو دور کر دیا۔

(۱۰) تکمیل: کلام میں ایسا زائد لفظ لایا جائے جس سے کلام کا حسن بڑھ جائے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ اور وہ لوگ باوجود (کھانے کی) چاہت کے (غرباء ومساکین کو) کھانا کھلاتے ہیں۔

یعنی اس کے باوجود کہ وہ کھانے کی چاہت رکھتے ہیں وہ دوسروں کو کھلاتے ہیں یہ ان کے بہت بڑے کرم وسخاوت کی دلیل ہے۔

یہاں '' عَلٰى حُبِّهٖ'' زائد لفظ ہے

(خاتمہ) مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام

جن قواعد کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کے مطابق کلام کو مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا کہتے ہیں۔اور بعض اوقات حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ مقتضائے ظاہر کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے خلاف مخصوص انواع میں کلام کو لایا جائے۔اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(۱)عالم کو جاہل قرار دینا:

فائدہ خبر یالازم فائدہ خبر کا علم رکھنے والے کو بے علم کے قائم مقام قرار دینا کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا پس اس کو خبر یوں دی جاتی جیسے بے علم کو خبر دیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے باپ کو اذیت پہنچارہا ہو تو کہا جاتا ہے۔هٰذَا اَبُوْكَ یہ تیرا باپ ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا باپ ہے لیکن وہ اس کا احترام نہیں کرتا تو گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ اس کا باپ ہے۔

(۲)غیر منکر کو منکر کی جگہ اتارنا:(سمجھنا)

یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے انکار کی علامات ظاہر ہوں جیسے۔

جَـاءَ شَـقِيْقٌ عَـارِضًـا رُمْـحَـهٗ

اِنَّ بَـنِـيْ عَـمِّكَ فِيْهِـمْ رِمَـاحٌ

شقیق اس حالت میں آیا کہ اس نے تیر چوڑائی میں رکھا ہوا تھا (تو اس سے کہا گیا) بے شک تیرے چچازاد بھائیوں کے پاس نیزے ہیں۔

یہ بات اسے معلوم ہے لیکن اس کی حالت سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے خیال میں ان لوگوں کے پاس نیزے نہیں ہیں۔اسی طرح کوئی شخص مانگنے والا ہو اور کشادگی کو بحال

سمجھتا ہو تو اس سے کہا جائے۔ اِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِیْبٌ کشادگی قریب ہے ان دونوں مثالوں میں اِنَّ لایا گیا جو تاکید کے لیے ہے اور تاکیدی کلام منکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

کبھی منکر اور شک کرنے والے کو خالی الذہن سمجھا جاتا ہے۔ یعنی جب اس کے پاس ایسے شواہد ہوں کہ جب وہ غور و فکر کرے تو اس کا انکار یا شک دور ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک شخص طب (ڈاکٹری) کے فوائد کا انکار کرتا ہے یا اس میں شک کرتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے۔ اَلطِّبُّ نَافِعٌ طب نفع بخش ہے۔

چونکہ یہ شخص منکر یا شک کرنے والا ہے اس لیے ان کے ساتھ کلام لانا چاہیے تھا لیکن اسے غیر منکر قرار دے کر تاکید کے بغیر کلام لیا گیا۔

(۳) کسی غرض کے لیے مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کرنا:

مثلاً یہ بتانا کہ مقصد ضرور حاصل ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے

اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا پس تم اس کی جلدی نہ کرو۔ یہاں مضارع (یَاْتِیْ) کی جگہ ماضی (اَتٰی) کا صیغہ لایا گیا کیونکہ جس بات کا ذکر ہے وہ قطعی طور پر حاصل ہونے والی ہے۔

اسی طرح نیک فالی کے طور پر کہا جاتا ہے

اِنْ شَفَاکَ اللّٰہُ الْیَوْمَ تَذْھَبُ مَعِیْ غَدًا اگر اللہ تعالیٰ تجھے آج شفا دے تو کل میرے ساتھ چلنا یہاں یَشْفِیْکَ مضارع کی بجائے ماضی کا صیغہ شفاک استعمال ہوا تاکہ اچھی فال لی جائے کہ واقعتاً اسے شفا حاصل ہو گئی۔

کبھی ماضی کی جگہ مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی کوئی وجہ یا غرض ہوتی ہے مثلاً خیال میں کسی عجیب و غریب صورت کو حاضر کرنا جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا ۔ اور وہی ذات ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا پس وہ بادلوں کو اٹھالاتی ہیں۔

یہاں " اَثَارَتْ " ماضی کی جگہ (تُثِیْرُ) مضارع کا صیغہ لایا گیا یا اس سے زمانہ ماضی میں اس عمل کا استمرار اور جاری رہنے کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۔ اگر رسول ﷺ تمہاری اکثر باتیں مان لیا کریں تو تم مشقت میں پڑ جاتے۔

یعنی اگر آپ تمہاری باتیں مانتے رہتے۔ تو اس استمرار کے لیے اطاع (ماضی) کی جگہ یُطِیْعُ مضارع کا صیغہ لایا گیا۔

(۴) جملہ انشائیہ کی جگہ خبریہ لانا:

(الف) یا تو کوئی غرض ہوتی ہے جیسے

هَدَاکَ اللّٰهُ لِصَالِحِ الاَعْمَالِ ۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیک اعمال کی راہ دکھائے یہاں دعا کی وجہ سے جملہ خبریہ لایا گیا اور ماضی کا صیغہ لا کر ہدایت کے لیے نیک شگون ظاہر کیا گیا۔

(ب) یا رغبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ جیسے: رَزَقَنِیَ اللّٰهُ لِقَاءَکَ

اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری ملاقات کا شرف بخشے ۔ یہاں بھی جملہ خبریہ لایا گیا حالانکہ دعا ہے جو جملہ انشائیہ کی صورت ہے۔

(ج) یا ادب کی خاطر امر کی صورت سے بچنا ہوتا ہے جیسے کہا جائے۔

یَنْظُرُ مَوْلَایَ فِیْ اَمْرِیْ ۔ میرے آقا میرے معاملے میں غور فرمائیں گے۔

یہاں اُنْظُرْ امر کا صیغہ نہیں کہا تا کہ بے ادبی نہ ہو۔

کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لایا جاتا ہے اور اس میں کوئی غرض ہوتی ہے۔
مثلاً کسی چیز پر خاص نظر رکھنا جیسے ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ آپ فرما دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا اور ہر نماز کے وقت اپنے چہروں کو (قبلہ کی طرف) سیدھا رکھو

نماز کی اہمیت کی وجہ سے بِالْقِسْطِ پر عطف کرتے ہوئے بِالْاِقَامَةِ نہیں فرمایا بلکہ امر کا صیغہ اَقِیْمُوْا فرمایا۔

دوسرے (یعنی لاحق) کلام کو پہلے کلام کی برابری سے برائت کا اظہار کرنے کے لیے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لایا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ کہا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بے شک میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے اور دوسرے میں لوگوں کی شہادت کا ذکر ہے اس لیے پہلے جملہ میں خبر ہے یعنی اُشْهِدُ فرمایا اور دوسرے میں و اشھدو ا امر کا صیغہ ہے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے لوگوں کی شہادت کو اللہ تعالیٰ کی شہادت کی برابری سے بچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔

برابری ظاہر کرنے کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے۔

اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ یُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناراضگی سے ہرگز تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہاں اَنْفَقْتُمْ کی جگہ اَنْفِقُوْا فرما کر بتایا کہ ان کا خرچ دونوں صورتوں میں برابر ہے کہ قبول نہیں ہوگا۔

(۵) اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانا: اس سلسلے میں یا تو کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ ضمیر کا مرجع متکلم کے ذہن میں ہمیشہ حاضر ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَبَتِ الْوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ

وَاَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ

محبوبہ نے رقیبوں کے ڈر سے ملنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ تمہارے پاس رات کی تاریکی میں پردوں کی آڑ میں آتی ہے۔

یہاں اَبَتِ اور اَتَتْكَ کی ضمیروں کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہے اس لیے اسم ظاہر لانا چاہیے تھا لیکن شاعر یہ بتانے کے لیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذہن میں ہے ضمیر لایا۔

یا اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ضمیر کے بعد والی بات کو سامع کے ذہن میں اتارا جائے تاکہ اسے شروع ہی سے شوق پیدا ہو۔ جیسے

(الف) هِيَ النَّفْسُ مَاحَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ ۔ یہ وہ نفس ہے کہ تم اس سے جو کچھ اٹھواؤ گے اٹھائے گا۔

(ب) هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ وہ اللہ ایک ہے۔

(ج) نِعْمَ تِلْمِيْذُ الْمُؤَدَّبُ۔ بہترین شاگرد وہ ہے جو باادب ہو۔

کبھی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً حکم پر عمل کرنے کے داعی کی تقویت جیسے کوئی شخص اپنے غلام سے کہے۔

سَيِّدُكَ يَاْمُرُكَ بِكَذَا۔ تمہارا سردار تمہیں فلاں بات کا حکم دیتا ہے۔

یہاں " اَنَا اٰمُرُكَ " میں تمہیں حکم دیتا ہوں کی جگہ سَيِّدُكَ کا لفظ لایا گیا تاکہ

اسے معلوم ہوا کہ مجھے حکم دینے والا میرا آقا ہے۔

(۶) التفات : کلام کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا۔ مثلاً تکلم خطاب یا غیبت کی حال سے کسی دوسری حالت کی طرف تکلم سے خطاب کی طرف انتقال کی مثال۔

وَمَالِیَ لاَ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ. اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یہاں اَرْجِعُ میں لوٹایا جاؤں گا۔ متکلم کا صیغہ لانے کی بجائے تُرْجَعُوْنَ مخاطب کا صیغہ لایا گیا۔

متکلم سے غیبت کی طرف انتقال کی مثال

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ. بے شک ہم نے آپ کو کثرت (یا کوثر) عطا کی پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں۔

یہاں اِنَّا اَعْطَیْنَاكَ متکلم کی ضمیر اور آگے فَصَلِّ لَنَا (متکلم) کی جگہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ فرمایا۔

خطاب سے تکلم کی طرف انتقال کی مثال:

اَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ

وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِیْبُ عَلٰی قَذَالِیْ

کیا تم جمال والی لڑکیوں کے وصال کے خواہشمند ہو حالانکہ سفیدی میرے گردن پر لٹک چکی ہے۔

تَطْلُبُ میں خطاب ہے اور قَذَالِیْ میں تکلم ہے حالانکہ عَلٰی قَذَالِكَ ہو نا چاہیے تھا۔

(۷) تجاہل عارفانہ: کسی غرض کے لیے معلوم بات کو نامعلوم قرار دینا۔ مثلاً

أَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرِقًا
كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيْفِ

اے وادئ خابور کے درخت تم کیوں ہرے بھرے نظر آتے ہو گویا تم ابن طریف کی وجہ سے پریشان نہیں ہو۔

شاعرہ لیلیٰ بنت طریف کو معلوم ہے کہ پریشانی وغیرہ کا تعلق ارباب عقول سے ہوتا ہے اور درخت سے یہ مطالبہ کرنا فضول ہے لیکن اس کا یہ شعر تجاہل عارفانہ کے طور پر ہے گویا وہ جانتے ہوئے بھی یہ بات نہیں جانتی۔

(۸) اسلوب الحکیم: مخاطب سے یوں ملنا اور گفتگو کرنا جس کی مخاطب کو پہلے سے امید نہ تھی یا پوچھنے والے کو وہ بات کہنا جس کا وہ طالب نہ ہو اس کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ اس بات کا قصد کرنا زیادہ بہتر تھا جو میں کعبہ میں رہا ہوں۔

پہلی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ کلام کو قائل کی مراد کے خلاف معنی پر محمول کیا جائے جس طرح قبعثری کا حجاج سے کہنا۔ مِثْلُكَ الْاَمِيْرُ يَحْمِلُ عَلَى الْاَدْهَمِ وَالْاَشْهَبِ

آپ جیسے امیر (مہربان امیر) سیاہ گھوڑے اور سرخی مائل سفید گھوڑے پر سوار کراتے ہیں۔ حالانکہ حجاج نے جب قبعثریٰ سے کہا کہ لَاَ حْمِلَنَّكَ علی الادهم. میں تجھے ادہم (سیاہ) پر سوار کروں گا تو اس نے ادہم سے سیاہ بیڑی مراد لی تھی تو مخاطب قبعثری نے وہ مفہوم مراد نہ لیا جو اس کلام کے قائل حجاج کا مقصود تھا بلکہ سیاہ گھوڑا مراد لیا۔ حجاج نے جواب میں کہا میں نے لوہا مراد لیا ہے۔ قبعثریٰ نے جواب میں کہا۔

لَاَنْ یَّکُوْنَ حَدِیْدًا خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ بَلِیْدًا

اس سیاہ گھوڑا کا تیز (حدید) ہونا اس کے سست رفتار (بلید) ہونے سے بہتر ہے۔

تو حجاج نے لوہا مراد لیا جب کہ قبعثری نے اس سے تیز گھوڑا مراد لیا۔

دوسری صورت اس طرح ہوتی ہے کہ سائل کے سوال کو کسی دوسرے سوال کی جگہ اتارا جائے جو سائل کے حال کے مناسب ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

وہ لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمادیجئے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت بتاتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ چاند باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے حتی کہ چودھویں رات کا چاند ہو جاتا ہے پھر گھٹتا ہے حتی کہ شروع والی حالت پر ہو جاتا ہے۔

تو اس کا جواب اس حکمت کے حوالے سے دیا گیا جو اس گھٹنے بڑھنے پر مرتب ہوتی ہے یعنی اس سے اوقات کا پتہ چلتا ہے تو ان کے سوال کو جو چاند کے مختلف ہونے کے بارے میں تھا یوں قرار دیا کہ گویا وہ اس کی حکمت پوچھ رہے ہیں اور اسی کے مطابق جواب دیا گیا۔

(۹) تغلیب: دو چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر غالب قرار دینے کے لیے وہ لفظ استعمال کرنا جو اس غالب سے متعلق ہے۔

جیسے مذکر کا صیغہ بول کر مرد اور عورت دونوں مراد لیے جائیں یہ مذکر کے غالب ہونے کی طرف اشارہ ہے مثلاً ارشاد خداوندی ہے

وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ. اور وہ (حضرت مریم) قانِتِین میں سے تھیں حالانکہ قَانِتِیْن مذکر کا صیغہ ہے گویا مذکر کو مونث پر غالب رکھا گیا۔

اسی طرح باپ اور ماں کے لیے "اَبَوانْ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں باپ کو ماں پر ترجیح دی گئی۔

یوں ہی مذکر کو مونث پر غالب قرار دیتے ہوئے سورج اور چاند کے لیے القمرین کا لفظ استعمال کرتے ہیں شمس (سورج) مونث ہے۔ اور قمر (چاند) مذکر ہے۔

ثقیل لفظ پر زیادہ خفیف لفظ کو غالب کیا جاتا ہے۔ مثلاً ابو بکر اور عمر کہنے کی بجائے عمرین کہتے ہیں کیونکہ لفظ عمر خفیف اور لفظ ابو بکر ثقیل ہے۔

بعض اوقات مخاطَب کو غیر مخاطب پر غالب قرار دیتے ہوئے اسے خطاب کیا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا.

(کفار نے کہا) اے شعیب! ہم آپ کو اور آپ کے مومن ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم لوگ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ حالانکہ حضرت شعیب علیہ السلام کبھی ان کے دین میں نہیں رہے کہ ان کو واپسی کے لیے کہا جائے لیکن چونکہ آپ کو باقی لوگوں پر بطور تبی غالب قرار دیا گیا اس لئے آپ سے یہ بات کہی گئی ورنہ واپس کفر میں لوٹنا آپ سے متعلق نہیں۔ (۱)

---

(۱) نوٹ: حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے یہاں یوں ترجمہ کیا کہ "ہمارے دین میں آجاؤ" واپس آجاؤ والا ترجمہ نہیں کیا اس لیے آپ کے اس ترجمہ کے مطابق کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی اور نہ تاویل کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۱۲ ہزاروری)

عاقل کو غیر عاقل پر غالب قرار دیتے ہوئے وہ صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جو ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ یہاں اَلْعَالَمِیْنَ میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہیں لیکن ذوی العقول کو غالب قرار دیتے ہوئے یاء اور نون کے ساتھ جمع کا صیغہ لایا گیا۔
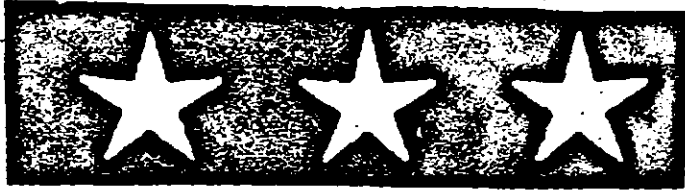
علم بیان

علم بیان اس علم کو کہتے ہیں جس میں تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

(۱) تشبیہ (۲) مجاز (۳) کنایہ

تشبیہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی وصف میں کسی حرف کے ذریعے کسی غرض کے لیے ملانا تشبیہ ہے۔

پہلی چیز کو مشبہ، دوسری کو مشبہ بہ، وصف کو وجہ الشبہ اور جس حرف کے ذریعے تشبیہ دیتے ہیں اُسے اداۃ التشبیہ یا حرف تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً

اَلْعِلْمُ كَالنُّوْرِ فِيْ الْهِدَايَةِ. علم ہدایت میں نور کی طرح ہے۔ یہاں عِلْمٌ مشبہ، نُوْرٌ مشبہ بہ، اَلْهِدَايَةُ وجہ شبہ اور كَاف حرف تشبیہ ہے۔

تشبیہ کے ساتھ تین بحثیں متعلق ہوتی ہیں۔

پہلی بحث (ارکان تشبیہ)

تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔

(۱) مشبہ (۲) مشبہ بہ (ان دونوں کو تشبیہ کے دو کنارے کہتے ہیں) (۳) وجہ شبہ (۴) اداۃ تشبیہ (حرف)

تشبیہ: طرفین کے اعتبار سے تشبیہ کی چار اقسام ہیں۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسّی ہوں: جیسے

اَلْوَرَقُ كَالْحَرِيْرِ فِيْ النُّعُوْمَةِ. کاغذ ملائم ہونے میں ریشم کی طرح ہے کاغذ اور ریشم دونوں حسی (محسوس ہونے والی) چیزیں ہیں۔

(۲) دونوں عقلی ہوں:۔ جیسے

اَلْجَهْلُ كَالْمَوْتِ   جہالت موت کی طرح ہے

یہاں جہالت اور موت دونوں کا تعلق عقل سے ہے خارج میں نظر آنے والی چیزیں نہیں ہیں۔

(۳) دونوں مختلف ہوں: مثلاً مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو جیسے۔

خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ۔ اس کے اخلاق عطر کی طرح ہیں۔ خلق عقلی اور عطر حسی ہے۔

(۴) دونوں مختلف ہوں: یعنی مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو جیسے۔

اَلْعِطْرُ كَخُلُقِ رَجُلٍ كَرِيْمٍ۔ عطر شریف آدمی کے اخلاق کی طرح ہے تو عطر (مشبہ) حسی ہے اور خلق (مشبہ بہ) عقلی ہے۔

وجہ شبہ: وہ خاص وصف ہے جس میں دونوں طرفوں (مشبہ اور مشبہ بہ) کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہے جیسے علم اور نور میں ہدایت وجہ شبہ ہے۔

اداۃِ تشبیہ: یہ وہ لفظ ہے جو تشبیہ کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جیسے کاف کَاَنَّ اور جو ان دونوں کے معنی میں ہو کاف کے بعد مشبہ بہ آتا ہے جبکہ کَاَنَّ کے بعد مشبہ آتا ہے جیسے۔

كَــاَنَّ الثُّــرَيَّـا رَاحَةٌ تَشْبِرُ الدُّجٰى

لِتَـنْـظُـرَ طَـالَ الـلَّـيْـلُ اَمْ وَقَدْ تَعَرَّضَـا

ثُرَيَّا (ستارہ) گویا ہاتھ کی ہتھیلی ہے کہ رات کی تاریکی کو ناپتی ہے تاکہ دیکھے کہ رات لمبی ہوگئی ہے یا بڑھ گئی ہے۔ یہاں ثُرَيَّا مشبہ ہے اور رَاحَةٌ مشبہ بہ ہے۔

نوٹ: لفظ کَاَنَّ تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جب اس کی خبر اسم جامد ہو اور شک کا فائدہ دیتا ہے جب اس کی خبر مشتق ہو۔ جیسے "كَاَنَّكَ فهام" گویا تو سمجھدار ہے۔ یہ شک کی مثال ہے۔

اور فاھم اسم مشتق ہے

کبھی ایسا فعل ذکر کیا جاتا ہے جو تشبیہ کی خبر دیتا ہے (یعنی تشبیہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا جب تم ان (جنتی لڑکوں) کو دیکھو گے تو ان کو بکھرے ہوئے چمکدار موتی سمجھو گے۔

یہاں حسبت فعل تشبیہ کا معنی ظاہر کرتا ہے۔

تشبیہ بلیغ

جب حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ محذوف ہو تو اسے تشبیہ بلیغ کہا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔

یعنی ستر اور پردے میں لباس کی طرح بنایا یہاں رات کو لباس سے تشبیہ دی لیکن کاف حرف تشبیہ اور وجہ شبہ یعنی ستر دونوں کو حذف کیا گیا۔

دوسری بحث اقسام تشبیہ

دونوں طرفوں (مشبہ اور مشبہ بہ) کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مفرد کی مفرد سے تشبیہ۔ جیسے

هٰذَا الشَّيْءُ كَالْمِسْكِ فِي الرَّائِحَةِ. یہ چیز خوشبو میں کستوری کی طرح ہے۔

(۲) مرکب کی مرکب سے تشبیہ:۔

یعنی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو متعدد امور سے کوئی شکل حاصل ہو۔ (یعنی دونوں

مرکب ہوں) جیسے

كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُسِنَا

وَأَسْيَافِنَا لَيْلٌ تَهَاوى كَواكِبُهُ

گویا تیز رفتار گھوڑوں کے پاؤں سے اڑی ہوئی گرد ہمارے سروں اور ہماری تلواروں پر ایک رات ہے جس کے ستارے ٹوٹ رہے ہوں۔

غبار کی ہیئت اور اس میں تلواروں کا ادھر ادھر چلنا یہ مشبہ مرکب ہے اور رات کی تاریکی اور اس میں ستاروں کا ٹوٹنا یہ مشبہ بہ مرکب ہے۔

(۳) مفرد کی مرکب سے تشبیہ:۔ جیسے شقیق ( ) کی تشبیہ

یاقوتی جھنڈوں سے جوز برجدی نیزوں پر پھیلائے گئے ہیں۔

مشبہ صرف شقیق ہے اور اور مشبہ بہ مرکب ہے اور وہ یاقوتی جھنڈے اور زبرجدی نیزے وغیرہ ہیں۔

(۴) مرکب کو مفرد سے تشبیہ دینا: جیسے شاعر کا قول ہے۔

يَا صَاحِبِيَّ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا   تَرَيَا وُجُوهَ الأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ

تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا قَدْ شَابَهُ   زَهْرُ الرُّبَا فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ

ترجمہ: اے میرے دونوں ساتھیو! غور سے دیکھو تو تم زمین کو دیکھو گے کہ کسی طرح وہ اپنی صورت بدلتی ہے اس دھوپ والے دن میں جب اونچی جگہوں کے پھول مخلوط ہو گئے گویا وہ چاندنی رات ہے۔

اس میں روشن دن کو جو ٹیلوں کے پودوں سے مخلوط ہے چاندنی رات کے ساتھ تشبیہ دی گئی وہاں مشبہ یعنی روشن دن جو پودوں سے مخلوط ہے مشبہ مرکب ہے اور چاندنی رات مشبہ بہ مفرد ہے۔

ایک اور تقسیم

دونوں طرف کے اعتبار سے تشبیہ کی یہ دو قسمیں بھی بنتی ہیں۔

(۱) تشبیہ ملفوف: کلام میں دو یا اس سے زیادہ مشبہ لائے جائیں پھر مشبہ بہ لایا جائے۔ جیسے۔

كَـأَنَّ قُـلُـوْبَ الطَّيْـرِ رَطْبًـا وَيَـابِسًـا
لَـدَى وَكْـرِهَـا الْـعُنَّـابُ وَالْحَشَفُ الْبَـالِيْ

ترجمہ: گویا پرندوں کے تازہ اور خشک دل شکرے کے گھونسلے کے پاس عناب (پھل) اور ردی کھجور کی طرح ہیں۔

اس میں پرندے کے تازہ کلیجے کو عناب سے اور خشک کو پرانی ردی کھجوروں سے تشبیہ دی گویا پہلے دونوں مشبہ ذکر کیے اور پھر دونوں مشبہ بہ۔

(۲) تشبیہ مفروق: پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ کو لایا جائے پھر دوسرے مشبہ اور مشبہ بہ کو لایا جائے۔ جیسے

اَلـــنَّشْـــرُ مِسْكٌ وَالْــوُجُــوْهُ دَنَـــا
نِيْــــرُ وَاَطْـــرَافُ الْاَكُفِّ عَـــنَـــمْ

اُن عورتوں کی خوشبو کستوری کی طرح چہرے دیناروں جیسے اور انگلیوں کے سرے عنم درخت (کے پھول کی) طرح سرخ ہیں۔

یہاں اَلنَّشْرُ مشبہ، مِسْكٌ مشبہ بہ، اَلْوُجُوْهُ مشبہ اور دَنَانِيْرُ مشبہ بہ اور اطراف مشبہ اور عَنَمْ مشبہ بہ ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو اکٹھا ذکر کیا پھر اسی طرح مزید مشبہ اور مشبہ بہ کا ذکر اکٹھا ہے۔

نوٹ: اگر مشبہ متعدد ہوں اور مشبہ بہ متعدد نہ ہوں تو اسے تشبیہ تسویہ کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے

صُدْغُ الحبیبِ وحالی　　　کِلاَ ھُمَا کَا للّیَالِیْ

محبوب کی کنپٹی اور میرا حال (سیاہ ہونے میں) دونوں راتوں کی طرح ہیں۔

یہاں مشبہ دو ہیں (۱) صُدْغُ الْحَبِیْبِ اور (۲) حَالِی اور مشبہ بہ ایک ہے یعنی اَللَّیَالِیْ اور اگر مشبہ بہ متعدد ہوں لیکن مشبہ متعدد نہ ہو تو اسے تشبیہ جمع کہتے ہیں۔

جیسے شاعر کا قول ہے

کَـــأَنَّـــمَـــا یَبْسِمُ عَـنْ لُـؤْلُـؤٍ

مُـــنَـــضَّـــدٍ اَوْ بَـــرَدٍ اَوْ اَقَـــاحٍ

گویا وہ ایسے شفاف موتیوں کے ساتھ ہنستی ہے جو تہ بہ تہ ملے ہوئے ہیں یا اولوں یا گل بابونہ سے مسکراتی ہے۔

یہاں مشبہ محذوف ایک ہے اور وہ محبوبہ کے دانت ہیں جب کہ مشبہ بہ متعدد ہیں یعنی موتی، اولے اور گل بابونہ۔

وجہِ تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم

وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تمثیل　(۲) غیر تمثیل

تمثیل: وہ تشبیہ جس میں وجہ شبہ متعدد سے لی گئی ہو۔ جیسے ثریا (ستارے کی تشبیہ چمکتے ہوئے انگور کے گچھے کے ساتھ اس میں ایک سے زائد انگور ہیں)

غیر تمثیل: جو اس طرح نہ ہو (یعنی وجہ شبہ متعدد سے نہ ہو) جیسے ستارے کو درہم سے تشبیہ

دینا۔

نوٹ: اس اعتبار سے تشبیہ کی مزید دو قسمیں ہیں۔

(۱) مفصل (۲) مجمل

تشبیہ مفصل: وہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور ہو جیسے۔

وَثَغْرُهٗ فِیْ صَفَاءٍ وَادْمُعِیْ کَاللَّاٰلِیْ

اس کے سامنے کے دانت اور میرے آنسو صفائی میں موتیوں کی طرح ہیں۔

تشبیہ مجمل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور نہ ہو۔

جیسے اَلنَّحْوُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ

کلام میں نحو اس طرح ہے جس طرح کھانے میں نمک ہو۔

یہاں وجہ شبہ بیان نہیں ہوئی اور وہ لذیذ ہونا ہے۔

حرف تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم

حرف تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تشبیہ مؤکد (۲) تشبیہ مرسل

تشبیہ مؤکد: وہ ہے جس میں حرف تشبیہ محذوف ہو۔ جیسے

هُوَ بَحْرٌ فِی الْجُوْدِ وہ سخاوت میں دریا کی طرح ہے

یہاں "کَالْبَحْرِ" کا کاف حرف تشبیہ محذوف ہے۔

تشبیہ مرسل: وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ مذکور ہو۔ جیسے

هُوَ کَالْبَحْرِ کَرَمًا وہ کرم میں دریا کی طرح ہے۔ یہاں کاف حرف تشبیہ مذکور ہے۔

نوٹ: جس تشبیہ میں مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف اضافت ہو وہ بھی تشبیہ موکد ہے جیسے۔

وَالرِّيْحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُوْنِ وَقَدْ جَرٰى

ذَهَبُ الْاَصِيْلِ عَلٰى لُجَيْنِ الْمَاءِ

تیز ہوا ٹہنیوں کے ساتھ کھیلتی ہے ایسی حالت میں کہ شام کا سونا (زرد رنگ) پانی کی چاندی یعنی سفیدی پر پڑا۔

یہاں لُجَیْنِ الْمَاءِ میں مشبہ بہ لُجَیْن کی اضافت الماء کی طرف ہے جو مشبہ ہے اور حرف تشبیہ محذوف ہے۔ (لجین چاندی کو کہتے ہیں)

تشبیہ کی اغراض

تشبیہ کی درج ذیل اغراض ہیں

(۱) امکانِ مشبہ کا بیان (۲) حال مشبہ کا بیان (۳) مشبہ کی مقدار حال کا بیان

(۴) حال مشبہ کی تقریر کا بیان (۵) تزیین مشبہ (۵) تقبیح مشبہ

(۱) تشبیہ سے کبھی امکان مشبہ کا بیان مقصود ہوتا ہے جیسے۔

فَاِنْ تَفُقِ الْاَنَامَ وَاَنْتَ مِنْهُمْ

فَاِنَّ الْمِسْکَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

اگر آپ مخلوق سے بڑھ جائیں (تو کیا حرج ہے؟) آپ ان ہی میں سے ہیں کیوں کہ کستوری ہرن کے خون کا بعض حصہ ہے۔

جب شاعر متنبی نے دعویٰ کیا کہ اس کا ممدوح سیف الدولہ چند خصوصیات کی وجہ سے دوسروں سے جدا ہے جو خصوصیات اسے الگ حقیقت ثابت کر رہی ہیں تو اسے اپنے دعویٰ کا ممکن ہونا ثابت کرنے کے لیے کستوری سے تشبیہ دینا پڑی جس کی اصل ہرن کا خون ہے:۔

(۲) تشبیہ کی دوسری غرض کا حال بیان کرنا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

كَأَنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوْكُ كَوَاكِبُ
إِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبُ

گویا تم سورج ہو اور دوسرے بادشاہ ستارے ہیں جب تم نکلتے ہو تو ان میں سے کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا۔

اس میں ممدوح کو سورج سے اور دوسرے بادشاہوں کو ستاروں سے تشبیہ دے کر اپنے ممدوح کا مقام بیان کیا۔

(۳) تشبیہ کی تیسری غرض مشبہ حال مشبہ کی مقدار بیان کرنا ہوتا ہے جیسے

فِيْهَا اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُوْنَ حَلُوْبَةً
سُوْدًا كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ

اس خاندان میں بیالیس دودھ دینے والی کالے رنگ کی اونٹنیاں ہیں جو کالے کوے کے پر کی مثل ہیں۔

یہاں اونٹنیوں کی سیاہی کی مقدار بیان کرنے کے لیے کالے کوے کے پر سے تشبیہ دی۔

(۴) تشبیہ کی چوتھی غرض حال مشبہ کی تقریر ہے۔ جیسے

إِنَّ الْقُلُوْبَ إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا
مِثْلُ الزُّجَاجَةِ كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ

جب دلوں کی محبت نفرت میں بدل جائے تو وہ شیشے کی مثل ہیں جو ٹوٹا ہوا جوڑا نہیں جاتا۔

دلوں کی نفرت کو شیشے کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی اور اس بات کو ثابت کیا کہ پہلے جو

محبت بھی دل کی اس حالت کا لوٹنا مشکل ہے۔

(۵) ۔ تشبیہ کی پانچویں غرض تزئین مشبہ ہے (زینت دینا) جیسے

سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِيْنِ كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيْرُ

وہ سیاہ ہے روشن پیشانی والی ہے اس کی آنکھ پیاری ہرن کی طرح ہے۔

محبوبہ کی سیاہی کو ہرن کی آنکھ کی سیاہی سے تشبیہ دی تا کہ اس کا حسن ثابت کرے۔

(۶) تشبیہ کی چھٹی غرض مشبہ کی تقبیح ہے (برائی ظاہر کرنا ہے) جیسے

وَاِذَا اَشَارَ مُحَدِّثًا فَكَأَنَّهُ

قِرْدٌ يُقَهْقِهُ اَوْ عَجُوْزٌ تَلْطِمُ

اور جب وہ بات کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے تو گویا وہ بندر ہے جو قہقہ لگا رہا ہے یا بڑھیا ہے جو اپنے رخساروں پر طمانچہ مار رہی ہے۔

تشبیہ مقلوب:

کبھی غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے جب تشبیہ کے دونوں طرفوں کو الٹ دیا جائے۔ اسے تشبیہ مقلوب کہتے ہیں۔ جیسے

وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ

وَجْهُ الْخَلِيْفَةِ حِيْنَ يُمْتَدَحُ

اور صبح ظاہر ہوئی گویا کہ اس کی روشنی بادشاہ کا چہرہ ہے جب اس کی مدح کی جائے۔

اس بادشاہ کا چہرہ مشبہ تھا اور صبح کی روشنی مشبہ بہ لیکن اس کو الٹ دیا اور اب بادشاہ کا چہرہ مشبہ بہ بنا دیا گیا۔

مجاز کا بیان

مجاز وہ لفظ ہے جس کو کسی تعلق کی وجہ سے اس معنی میں استعمال کیا جائے جس کے لیے اس کو وضع نہیں کیا گیا (غیر ما وضع لہ میں استعمال)

اس میں ایسا قرینہ ہوتا ہے جو سابق معنی (جس کے لیے اسے وضع کیا گیا) مراد لینے سے مانع ہوتا ہے مثلاً۔

فُلَانٌ یَتَکَلَّمُ بِالدُّرَرِ فلاں شخص کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں۔

یہاں اَلدُّرَرُ (موتی) کا لفظ فصیح کلمات کے لیے استعمال ہوا تو یہ استعمال اس معنی میں ہے جس کے لیے موتی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا کیونکہ حقیقت میں "الدرر" کا لفظ موتیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے پھر اسے فصیح کلمات کی طرف منتقل کیا گیا کیونکہ موتیوں اور فصیح کلمات میں حسن کے اعتبار سے تشبیہ کا علاقہ (تعلق) ہے اور لفظ کلام اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں موتی اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ

وہ اپنی انگلیوں (کے پوروں) کو اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔

یہاں انگلیوں سے ان کے پورے مراد ہیں اور یہ غیر ما وضع لہ میں استعمال ہے کیونکہ اَصَابِعَ (اُصْبعٌ کی جمع) کا لفظ انگلیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے پوروں کے لیے نہیں لیکن چونکہ پورے انگلیوں کی جزء ہیں تو ان علاقہ (تعلق) کی وجہ سے پورے مراد لیے اور حقیقی معنی مراد لینے میں رکاوٹ پر قرینہ یہ ہے کہ پوری انگلی کو کان میں ڈالنا ممکن نہیں لہذا کل بول کر جزء مراد لیا۔

استعارہ اور مجاز مرسل میں فرق

اگر حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو جیسے پہلی مثال میں ہے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

اور اگر تشبیہ کا علاقہ نہ ہو جیسے دوسری مثال میں ہے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

استعارہ

استعارہ وہ مجاز ہوتا ہے جس میں تشبیہ کا علاقہ ہو جیسے۔ قرآن مجید میں ہے

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

یہ کتاب ہم نے اسے آپ کی طرف اتارا تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالیں۔

یہاں ظلمات اور نور کا لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوئے جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا یعنی حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہیں۔

گمراہی اور اندھیرے کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہے اور اسی طرح ہدایت اور نور کے درمیان بھی تشبیہ کا علاقہ ہے اور اس میں قرینہ اس کا ماقبل یعنی " كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ " ہے کیونکہ کتاب کے اتارنے کا مقصد گمراہی سے ہدایت کی طرف لے جانا ہے لہذا یہاں ظلمات اور نور کا حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔

استعارہ میں اصل یہ ہے کہ تشبیہ کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو نیز وجہ شبہ اور حرف تشبیہ کو بھی حذف کیا جائے۔

نوٹ: مشبہ کو مستعار لہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ کہتے ہیں۔

پس اس مثال میں مستعار لہ گمراہی اور ہدایت ہے اور مستعار منہ اندھیرے اور نور کا (حقیقی) معنی ہے۔ اور لفظ ظلمات اور لفظ نور کو مستعار کہا جاتا ہے

استعارہ کی تقسیم

استعارہ کی تین قسمیں ہیں

پہلی تقسیم طرفین کے ذکر کے اعتبار سے ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) استعارہ مصرحہ (۲) استعارہ مکنیہ (اسے استعارہ تخییلیہ بھی کہتے ہیں)

استعارہ مصرحہ: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مشبہ بہ صراحتاً ذکر کیا گیا ہو۔ جیسے

فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ

وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ

پس اس نے نرگس (آنکھ) سے موتیوں کی (آنسوؤں) بارش برسائی اور اس سے گلاب کے پھول (رخساروں) کو سیراب کیا اور عناب پھول (انگلی) کو اولے (دانت) سے کاٹا۔

اس شعر میں شاعر نے موتی، نرگس، گلاب، عناب اور اولے کو بالترتیب آنسو، آنکھوں، رخساروں، انگلیوں کے پوروں اور دانتوں کے لیے استعارہ کیا۔ لیکن آنسو مشبہ ہیں اور موتی مشبہ بہ آنکھ مشبہ اور نرگس مشبہ بہ اسی طرح رخسار، انگلیوں کے پورے اور دانت مشبہ ہیں۔ اور گلاب کا پھول، عناب اور اولے مشبہ بہ ہیں۔ یہاں مشبہ بہ واضح الفاظ میں مذکور ہے۔

(۲) استعارہ مکنیہ: وہ ہے جس میں مشبہ بہ محذوف ہو لیکن اس کے لوازم میں سے کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جیسے: قرآن مجید میں ہے

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ: اوران (ماں باپ) کے لیے رحمت کے پر جھکادو

اس آیت میں پرندے کو ذلّ (جھکنے) کے لیے استعارہ کیا پھر اسے حذف کر دیا اور اس پر اس (پرندے) کے لوازم میں سے ایک چیز یعنی پروں نے دلالت کی ذلّ (جھکنے) کے لیے پروں کو ثابت کرنے کا نام ارباب بلاغت کے نزدیک استعارہ تخیلیہ ہے۔

دوسری تقسیم لفظ مستعار کے اعتبار سے ہے اس صورت میں استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) استعارہ اصلیہ (۲) استعارہ تبعیہ

استعارہ اصلیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار اسم غیر مشتق ہو جیسے۔ لفظ "ظَلَامٌ" مستعار ہے "ضَلَالٌ" کے لیے اور "نُوْرٌ" مستعار ہے هُدٰی (ہدایت) کے لیے۔

استعارہ تبعیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار فعل یا حرف یا اسم مشتق ہو جیسے۔

فعل کی مثال: فُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيْمِهٖ

فلاں شخص اپنے قرض دار کے کاندھوں پر سوار ہو گیا۔ یعنی اچھی طرح اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اسی طرح ارشاد [illegible] ری ہے

حرف کی مثال [illegible] ک عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ. وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے

یعنی وہ پوری ہدایت حاصل کرنے پر قادر ہیں۔

پہلی مثال میں لفظ مستعار فعل "رَكِبَ" ہے اور دوسری مثال میں مستعار حرف "علی" ہے۔

اسم مشتق کی مثال: اسی طرح شاعر کا قول ہے۔

وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُکْرِ بِرِّکَ مُفْصِحًا

فَلِسَانُ حَالِیْ بِالشِّکَایَةِ اَنْطَقُ

قسم بخدا! اگر میں تیرے احسان کا شکر اپنی زبان سے صاف صاف کر کے بیان کروں تو میری زبانِ حال اس سے بھی زیادہ شکایت کرنے والی ہے۔

اس میں لفظ اَنْطَقُ (اسم تفضیل) مستعار ہے جو اسم مشتق ہے

اسی طرح: اَذَقْتُهُ لِبَاسَ الْمَوْتِ. میں نے اُسے موت کا لباس چکھایا (یعنی پہنایا)

یہاں "اَذَقْتُهُ" مستعار ہے جو فعل ہے۔

تیسری تقسیم: مناسبت و متعلقات کے اعتبار سے استعارہ کی تین اقسام ہیں۔

(۱) مرشحہ (۲) مجردہ (۳) مطلقہ

(۱) استعارہ مرشحہ: وہ استعارہ ہے جس میں کوئی ایسا لفظ ذکر کیا جائے جو مشبہ بہ کے مناسب ہو۔ مثلاً۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا پس ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا۔

یہاں اِشْتِرَاء استبدال کے لیے مستعار ہے (یعنی خریدنے سے مراد بدلنا ہے کہ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی حاصل کی) اور ربح (نفع) اور تجارت کا ذکر ترشیح ہے کیونکہ نفع اور تجارت خریدنے کے مناسبات میں سے ہیں۔

استعارہ مجردہ: وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ کے مناسبات ذکر کیے جائیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا (پہنایا)

اس میں لباس بھوک اور ڈر وغیرہ کے وقت چھا جانے والی مصیبتوں کے لیے مستعار ہے اور اذاقہ چکھانا اس استعارہ کے لیے تجرید کہلاتا ہے۔ (کیونکہ یہ اطلاق اور ترشیح سے خالی ہوتا ہے)

استعارہ مطلقہ: وہ استعارہ ہے جس کے ساتھ مناسبات کا ذکر نہ ہو۔ جیسے۔

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو توڑتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے لیے توڑنا استعارہ ہے لیکن اس کا کوئی مناسب مذکور نہیں۔

نوٹ: ترشیح اور تجرید کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب قرینہ کے ساتھ استعارہ پورا ہو چکا ہو۔

مجاز مرسل

مجاز مرسل وہ مجاز ہے جس میں تشبیہ کا علاقہ (رابطہ) نہ ہو۔ مثلاً اس میں مشابہت کی بجائے درج ذیل میں سے کوئی علاقہ (تعلق و رابطہ) ہو۔

(۱) علاقہ سببیت: جیسے عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ ۔ فلاں شخص کا ہاتھ بڑا ہو گیا۔

یعنی اس کا انعام و اکرام بڑا ہے جس کا سبب ہاتھ ہے۔

(۲) مسببیت: جیسے اَمْطَرَتِ السَّمَاءُ نَبَاتاً ۔ آسمان نے سبزہ برسایا۔

مطلب یہ ہے کہ پانی برسایا جس کے سبب سے سبزہ اگا یہاں سبزہ مسبب ہے

اور مطر سبب ہے۔

(۳) جزئیت: جیسے اُرْسِلَتِ الْعُیُوْنُ لِتَطَّلِعَ عَلٰی اَحْوَالِ الْعَدُوِّ
میں نے آنکھیں بھیجیں تا کہ وہ دشمن کے حالات پر مطلع ہوں۔ یہاں عُیون (آنکھوں) سے جاسوس مراد ہیں اور دونوں کے درمیان ربط و تعلق یہ ہے کہ آنکھیں جاسوس کی جزء ہیں۔

(۴) کلیت: جیسے یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔

انگلیوں سے پورے مراد ہیں تو یہاں کل بول کر جز مراد لیا کیونکہ پورے انگلیوں کی جزء ہیں۔

(۵) ما کان کا اعتبار: یعنی ماضی کا اعتبار کرنا جیسے۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَهُمْ: یتیموں کو ان کا مال دو۔

یعنی یتیم جو بالغ ہو چکے ہیں ان کو ان کا مال دو ان کی ماضی کا اعتبار کر کے الیتامی فرمایا ورنہ بالغ ہونے کے بعد یتیم نہیں رہے۔

(٦) ما یکون کا اعتبار: یعنی مستقبل کا اعتبار کرنا۔ مثلاً۔

اِنِّیْ اَرَانِیْ اَعْصِرُ خَمْرًا میں نے اپنے آپ کو انگور کا رس نچوڑتے ہوئے دیکھا۔

یہاں مستقبل کا اعتبار کرتے ہوئے رس کو خمر (شراب) کہا حالانکہ ابھی وہ خمر (شراب) نہیں لیکن مستقبل میں شراب ہوگی۔

(۷) محلیت: جیسے قَرَّرَ الْمَجْلِسُ ذٰلِكَ مجلس نے اسے مقرر کیا۔

یعنی اہل مجلس نے مقرر کیا تو چونکہ مجلس اہل مجلس کا محل (جگہ) ہے اس لیے فعل کی نسبت علاقۂ محلیت کی بنیاد پر مجلس کی طرف کی گئی۔

(۸) حالیت: ارشاد خداوندی ہے

فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں رحمت سے جنت مراد ہے چونکہ جنت محل (جگہ) ہے اور رحمت اس میں حال (اترنے والی) ہے اس لیے حال بول کر محل مراد لیا۔

مجاز مرکب

اگر لفظ مرکب کا استعمال موضوع لہ میں نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اس کا استعمال علاقۂ تشبیہ کے علاوہ کسی دوسرے علاقہ کے سبب سے ہو تو اس کو مجاز مرکب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس طرح خبری جملے انشاء میں استعمال ہوں۔ مثلاً شاعر کا قول ہے

هَوَایَ مَعَ الرَّکْبِ الْیَمَانِیْنَ مُصْعِدُ

جَنِیْبٌ وَجُثْمَانِیْ بِمَکَّةَ مُوْثَقُ

میری محبوبہ یمنی قافلے والوں کے ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جارہی ہے اور میرا جسم مکہ مکرمہ میں گرفتار ہے۔

اس شعر میں خبر دینا متصور نہیں بلکہ غم اور حسرت کا اظہار ہے یعنی جملہ خبریہ انشائیہ کے معنی میں استعمال ہوا۔

(۲) اگر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے استعارہ تمثیلیہ کہتے ہیں جیسے کسی تردد کرنے والے شخص

سے کہا جائے۔

أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا وَتُؤَخِّرُ أُخْرٰی میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک قدم آگے بڑھاتے ہو اور دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہو۔

یہاں فکری تردد کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا جو چلنے کے تردد میں استعمال ہوتا ہے۔

مجاز عقلی

فعل یا معنیٰ فعل کی اسناد کسی علاقہ کی وجہ سے اس چیز کے غیر کی طرف کرنا جس کے لیے وہ فعل یا معنیٰ فعل ظاہر میں متکلم کے نزدیک ہو جیسے۔

أَشَابَ الصَّغِيْرَ وَأَفْنَى الْكَبِيْرَ

كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ

بچے کو جوان اور بوڑھے کو فنا کر دیا صبح کے بار بار آنے اور شام کے جانے نے۔ (جوانی اور فنا کرنے) کی اسناد اس کے غیر فاعل کی طرف کی گئی ہے۔ (یعنی زمانے کی طرف) حالانکہ حقیقت میں جوان کرنے اور فنا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(ا) مبنی للفاعل کی اسناد مفعول کی طرف کرنا جیسے۔

عِيْشَةٌ رَاضِيَةٌ پسندیدہ زندگی

حالانکہ زندگی "مَرْضِيَةٌ" ہوتی ہے رَاضِيَة نہیں ہوتی۔

(۲) اس کا عکس یعنی مبنی للمفعول کی اسناد فاعل کی طرف کرنا۔ جیسے۔

سَيْلٌ مُفْعَمٌ بھرپور سیلاب

یہاں مفعول (مُفْعَمٌ) فاعل کے معنیٰ میں ہے کیونکہ سیلاب بھرپور نہیں ہوتا۔ بلکہ وادی بھرپور ہوتی ہے۔

(۳) بنی للفاعل مصدر کی طرف اسناد: جیسے جِدَّ جِدُّهٗ اس کی کوشش کامیاب ہوئی۔
حالانکہ کوشش کرنے والا (فاعل کامیاب ہوتا ہے لیکن یہاں مصدر فاعل کے معنی میں لیا گیا)

(۴) بنی للفاعل کی زمان کی طرف نسبت: جیسے نَهَارُهٗ صَائِمٌ اسکا دن روزہ دار ہے۔
حالانکہ روزہ دار آدمی ہوتا ہے دن تو روزے کا زمان (وقت ہے)

(۵) بنی للفاعل کی مکان کی طرف نسبت: جیسے نَهْرٌ جَارٍ نہر جاری ہے
حالانکہ پانی جاری ہوتا ہے نہر تو اس کے لیے مکان (جگہ ہے)

(٦) بنی للفاعل کی سبب کی طرف اسناد: جیسے بَنَى اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ حاکم نے شہر بنایا۔
حالانکہ شہر بنانے والے امیر کے خادم ہوتے ہیں لیکن سبب امیر ہے لہذا اس کی طرف اسناد ہوئی۔

نوٹ: گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ مجاز لغوی لفظ میں ہوتا ہے اور مجاز عقلی اسناد میں ہوتا ہے۔

کنایہ

کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کا لازم معنی (جو معنی سے لازم آتا ہے) مراد لیا جائے جب کہ وہ معنی (صریح معنی) مراد لینا بھی جائز ہوتا ہے۔

کنایہ کی اقسام

مکنی عنہ (جس سے کنایہ کیا جائے) کے اعتبار سے کنایہ کی تین اقسام ہیں۔

(۱) وہ کنایہ جس میں مکنی عنہ صفت ہو جیسے۔ خنساء کا قول ہے

طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ

كَثِيرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا

وہ ممدوح دراز قد اونچے ستون والا زیادہ راکھ والا ہے جب موسم سرما ہو

مطلب یہ ہے کہ اس کا قد لمبا ہے اور وہ سردار کریم ہے راکھ کا ڈھیر اور اونچے ستون مہمان نوازی اور سرداری کی علامت ہے۔

(۲) وہ کنایہ جس میں مکنی عنہ نسبت ہو۔ جیسے

اَلْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ بزرگی اس کے دو کپڑوں درمیان اور سخاوت وکرم اس کی چادر کے نیچے ہے۔

یہاں بزرگی اور کرم کی ممدوح کی طرف نسبت ہے کیونکہ کپڑوں کے درمیان اور چادر کے نیچے وہی شخص ہے۔

(۳) وہ کنایہ جس میں مکنی عنہ نہ صفت ہو نہ نسبت۔ جیسے شاعر کا قول ہے

اَلضَّارِبِينَ بِكُلِّ اَبْيَضَ مِخْذَمٍ

وَالطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْاَضْغَانِ

میں ایسے ضرب لگانے والوں کی تعریف کرتا ہوں جو چمکدار کاٹنے والی تلوار سے مارتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی (پسند کرتا ہوں) جو ایسے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں جو کینے اور حسد کے جامع ہیں۔

یہاں " مَجَامِعَ الْاَضْغَانِ " سے دل مراد ہیں اور قلوب نہ تو صفت ہے نہ نسبت ہے۔

کنایہ کی مزید اقسام

تلویح: اگر کنایہ میں واسطے زیادہ ہوں تو اسے تلویح کہتے ہیں۔ جیسے ھُوَ کَثِیْرُ الرَّمَادِ وہ زیادہ راکھ والا ہے یعنی کریم ہے۔ کیونکہ راکھ کا زائد ہونا زیادہ جلانے کو مستلزم ہے اور زیادہ جلانا زیادہ پکانے اور روٹی کو لازم ہے اور ان دونوں کا زیادہ ہونا کھانے والوں کی کثرت کو لازم کرتا ہے اور اس سے مہمانوں کی کثرت لازم آتی ہے اور مہمانوں کی کثرت کرم اور سخاوت کو لازم کرتی ہے۔

رمز: اگر کنایہ میں واسطے کم اور پوشیدہ ہوں تو اسے رمز کہتے ہیں۔ جیسے

وَھُوَ سَمِیْنٌ رِخْو وہ موٹا ڈھیلا ہے۔

یعنی کند ذہن اور سست ہے۔ کیونکہ موٹاپا اور ڈھیلا پن ذہنی طور پر ڈھیلا ہونے کا سبب ہے اور یہ دونوں اسے لازم ہیں لیکن یہ لزوم ایسا باریک (پوشیدہ) ہے کہ ہر شخص کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

ایماء: اگر کنایہ میں واسطے کم ہوں یا بالکل ہی نہ ہوں اور ان کی وضاحت کی گئی ہو تو اسے ایماء اور اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے

اَوَ مَا رَاَیْتَ الْمَجْدَ اَلْقٰی رَحْلَهٗ
فِیْ آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ یَتَحَوَّلِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بزرگی نے طلحہ کے خاندان میں اپنے خیمے گاڑ رکھے ہیں پھر وہ (وہاں سے کسی دوسری طرف) نہیں پھری۔

یہاں طلحہ کے خاندان کے سب لوگوں کی نیکی بیان ہو رہی ہے اور واسطہ صرف ایک ہے اور وہ اَلْمَجْدُ یعنی بزرگی ہے۔

تعریض: یہاں کنایہ کی ایک اور قسم بھی ہے جس کو سمجھنے کے لیے سیاق کلام (گذشتہ کلام) پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اسے تعریض کہتے ہیں اور یہ کلام کو کسی ایک طرف مائل کرتا ہے جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہو تو کہا جائے۔

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُهُمْ لوگوں میں بہترین (آدمی) وہ ہے جو ان کو نفع پہنچائے

علم بدیع

علم بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے اس کلام کو خوبصورت بنانے کے طریقے معلوم کیا جاتے ہیں جو (کلام) مقتضائے حال کے مطابق ہو ان طریقوں میں سے بعض کا تعلق معنوی تحسین سے ہوتا ہے ان کو محسنات معنویہ کہتے ہیں اور بعض تحسین لفظی سے متعلق ہوتے ہیں ان کو محسنات لفظیہ کہا جاتا ہے۔

محسنات معنویہ

وہ امور جو معنی میں حسن پیدا کرتے ہیں وہ محسناتِ معنویہ کہلاتے ہیں اور وہ درج ذیل چوبیس امور ہیں۔

(۱) توریہ:

ایسا لفظ ذکر کیا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب والا معنی جو کلام سے فوری طور پر سمجھ آتا ہو اور دوسرا معنی بعید ہو اور فائدہ کی غرض سے کسی خفیہ قرینہ کی بنیاد پر یہی (دوسرا) معنی مراد ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ۔

ترجمہ: وہی اللہ ہے جو تمہیں رات کو قبضہ میں لے لیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم نے برا عمل کیا۔

جرح کے دو معنی ہیں ایک قریب یعنی زخمی کرنا اور دوسرا بعید یعنی گناہوں کا ارتکاب اور یہاں یہی مراد ہے یہ معنی کسی پوشیدہ قرینے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

اور شاعر کا قول ہے

يَا سَيِّدًا حَازَ لُطْفًا لَهُ　　الْبَرُّ ايَا　　عَبِيْدُ

اَنْتَ الْحُسَيْنُ وَلٰكِنْ　　جَفَاکَ فِيْنَا يَزِيْدُ

ترجمہ: اے سردار! جس نے لطف و احسان کو جمع رکھا ہے (اور) جس کے لیے مخلوق غلام ہے آپ حسین رضی اللہ عنہ لیکن ہمارے درمیان آپ پر ظلم بڑھ رہا ہے۔

یزید کا عام فہم (قریب) معنی یہ ہے کہ وہ ایک شخص (یزید بن معاویہ) کا نام ہے لیکن اس کا معنی بعید مقصود ہے اور وہ زاد سے مضارع کا صیغہ ہے جس کا معنی بڑھنا ہے۔

(۲) ابہام

کلام میں ایسا لفظ بولنا جو دو متضاد وجہوں کا احتمال رکھتا ہو۔ جیسے

بَارَکَ اللّٰہُ لِلْحَسَنِ　　وَلِبُوْرَانَ فِی الْخَتَنِ

يَا اِمَامَ الْهُدٰی ظَفِرْتَ　　وَلٰكِنْ بِبِنْتِ مَنْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حسن کو مبارک کرے اور بوران کو بھی رشتہ داری مبارک ہو اے امام ہدیٰ آپ کامیاب ہو گئے لیکن کس کی صاحبزادی کے ساتھ۔

شاعر کے قول " ببنت من " میں دو متضاد احتمال ہیں کہ عظمت کی وجہ سے مدح ہو یا کمینگی کے باعث مذمت ہو۔ (یعنی جس کی لڑکی ہے وہ عظیم ہے یا وہ بہت کمینہ ہے)

(۳) توجیہ

کسی معنی کا فائدہ ان الفاظ کے ذریعہ دینا جو اس معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں لیکن یہ الفاظ لوگوں یا کسی اور چیز کے نام ہوں۔ جیسے شاعر نے نہر کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

اِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّیْحُ وَلَّتْ عَلِیْلَۃً بِاَذْیَالِ کُثْبَانِ الثَّرٰی تَتَعَثَّرُ

بِهٖ الْفَضْلُ یَبْدُوْ وَالرَّبِیْعُ وَکَمْ غَدَا بِهٖ الرَّوْضُ یَحْیٰ وَهُوَ لَا شَکَّ جَعْفَرُ

ترجمہ: جب ہوا ممدوح کے سامنے فخریہ طور پر چلتی ہے تو پیٹھ پھیر کر غمناک مٹی کے ٹیلوں کے دامن سے الجھ جاتی ہے ممدوح کی وجہ سے فضل (فضیلت) اور ربیع (موسم بہار) نمایاں ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ سے کتنے باغوں کو زندگی ملی ہے اور بلا شبہ وہ جاری چشمہ جعفر ہے۔

یہاں فضل، ربیع، یحیٰ اور جعفر انسانوں کے نام ہیں اگرچہ ان معانی پر دلالت کر رہے ہیں جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے)

دوسری مثال

وَمَا حُسْنُ بَیْتٍ لَهٗ زُخْرُفٌ تَرَاهُ اِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ یَکُنْ

ترجمہ: اس مکان میں کوئی خوبصورتی نہیں جس کی خوبصورتی بناوٹی (ظاہری) ہے تم اسے دیکھو گے جب زلزلہ آئے گا تو یہ نہیں رہے گا۔

(اس شعر میں "زُخْرُفٌ" "اِذَا زُلْزِلَتْ" اور "لَمْ یَکُنْ" سورتوں کے نام ہیں)

(۴) طباق

ایسے دو معنوں کو جمع کرنا جو ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ.

ترجمہ: اور تم ان کو جاگتے ہوئے خیال کرتے ہو حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

اس میں اَیْقَاظًا (جاگتے ہوئے) اور رُقُوْدٌ (سوئے ہوئے) ایک دوسرے کی

ضد اور مقابل ہیں۔

دوسری مثال:

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

ترجمہ: اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ دنیوی زندگی سے ظاہر کو جانتے ہیں۔

یہاں لَا یَعْلَمُوْنَ اور یَعْلَمُوْنَ ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔

(۵) مقابلہ

یہ بھی طباق کی ایک قسم ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ معانی لائے جائیں پھر ان کے مقابل معنوں کے الفاظ کو ترکیب کے ساتھ لایا جائے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا

ترجمہ: پس چاہیے کہ وہ کم ہنسیں اور چاہیے کہ زیادہ روئیں۔

یہاں "فَالْیَضْحَکُوْا" کے مقابلہ میں "وَلْیَبْکُوْا اور "قَلِیْلًا" کے مقابلے میں "کَثِیْرًا" ہے۔

(۶) تدبیج

یہ بھی طباق کی ایک قسم ہے اور یہ رنگوں کے الفاظ کا باہم مقابل ہونا ہے۔ جیسے

تَرَدّٰی ثِیَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا اَتٰی

لَهَا اللَّیْلُ اِلَّا وَهِیَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرٍ

ترجمہ: اس نے موت کے سرخ کپڑوں کو اپنی چادر بنالیا۔ پھر ابھی رات بھی نہ آئی کہ وہ

سرخ کپڑے سبز کپڑوں میں بدل گئے۔

خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے شہادت کی وجہ سے سرخ لباس کہا گیا پھر جنتی سبز لباس پہنایا گیا۔

(۷) ادماج

(لغوی معنی لپیٹنا ہے)

اصطلاحاً ایسا کلام جس کو کسی معنی کے لیے چلایا گیا ہو لیکن دوسرے معنی کو بھی شامل ہو۔ جیسے ابوطیب متنبی کا قول ہے۔

اُقَلِّبُ فِيْهِ اَجْفَانِيْ كَاَنِّيْ

اَعُدُّ بِهَا عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوْبَا

ترجمہ: اس رات میں اپنے پپوٹے پھیر رہا تھا گویا میں اس سے زمانے کے کناروں کو گنتا ہوں۔

اس میں رات کی لمبائی کا ذکر کیا اور اس کے ضمن میں زمانے کی شکایت بھی کردی۔

(۸) استتباع

یہ ادماج کی ایک قسم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی تعریف اس طرح کی جائے کہ تبعاً دوسرے کی تعریف بھی ہو جائے۔ جیسے خورازمی نے کہا

سَمِحُ الْبَدِيْهَةِ لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظُهٗ

فَكَاَنَّمَا اَلْفَاظُهٗ مِنْ مَّالِهٖ

ترجمہ: فی البدیہ کلام میں ایسا سخی ہے کہ اس کے کلام میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی گویا اس

کے الفاظ اس کے مال سے ہیں۔

اس کلام میں ممدوح کی تعریف برجستہ کلام کے ساتھ کی گئی اور اس کے ضمن میں سخاوت کا ذکر بھی ہو گیا۔

(۹) مراعاۃ النظیر

کسی بات کو اس کی مناسب بات کے ساتھ جمع کرنا اس مناسب بات میں تضاد نہ ہو جیسے شاعر کا قول ہے۔

اِذَا صَدَقَ الْجَدُّ افْتَرَى الْعَمُّ لِلْفَتٰی

مَکَارِمُ لَا تَخْفٰی وَاِنْ کَذَبَ الْخَالُ

ترجمہ: جب کسی نوجوان کی قسمت ٹھیک ہوتی ہے تو عوام مخالفت کرتے ہیں اچھے اخلاق نہیں چھپتے اگرچہ اس گمان کو جھٹلایا جائے۔

اس میں لفظ جد، عم اور خال کو جمع کیا گیا ہے (جد) سے مراد حصہ (قسمت) ہے دوسرے (عم) سے مراد عام لوگ ہیں اور تیسرے (خال) سے مراد گمان ہے۔ ان الفاظ میں مناسبت واضح ہے۔

"جَدٌّ" "دادا" "عَمٌّ" "چچا" اور "خَالٌ" "ماموں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں یہ معانی مراد نہیں ہیں۔

(۱۰) استخدام

کسی لفظ کو ایک معنی کے لیے ذکر کرنا اور دوسرے معنی کے ساتھ ضمیر کو لوٹانا یا دو ضمیریں لوٹانا اور دوسری ضمیر سے وہ معنی مراد لینا جو پہلی ضمیر کے معنی کے علاوہ ہو۔

پہلی صورت کی مثال۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ترجمہ: پس تم میں سے جو شخص مہینے (رمضان المبارک) کو پائے تو اس کے روزے رکھے۔

"شَهْرَ" سے پہلی کا چاند مراد ہے اور "فَلْيَصُمْهُ" کی ضمیر منصوب سے ماہ رمضان المبارک مراد ہے۔

دوسری صورت کی مثال شاعر کا قول ہے

فَسَقَى الْغَضَاءَ وَالسَّاكِنِيهِ وَاِنْ هُمْ
شَبُّوهُ بَيْنَ جَوَانِحِيْ وَضُلُوْعِيْ

ترجمہ: وہ غضاء درخت اور وہاں کے رہنے والوں کو سیراب کرے اگرچہ ان لوگوں نے اس کی آگ کو میرے پہلوؤں اور پسلیوں کے درمیان بھڑکا دیا غضاء ایک درخت ہے جو جنگل میں ہوتا ہے۔(اسے جھاؤ کہتے ہیں)

"سَاكِنِيهِ" کی ضمیر مجرور غضاء کی طرف لوٹتی ہے یعنی وہ جگہ جہاں یہ درخت ہے وہاں کے رہنے والے اور "شَبُّوهُ" کی ضمیر منصوب بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے لیکن یہ درخت کے معنی میں نہیں بلکہ آگ کے معنی میں ہے۔

(۱۱) استطراد

استطراد یہ ہے کہ متکلم اس غرض سے جس میں وہ ہے کسی مناسبت کی بنیاد پر دوسری غرض کی طرف نکلے پھر پہلی غرض کو پورا کرنے کی طرف لوٹے جیسے سموال کا قول ہے

وَاِنَّا اُنَاسٌ لَا نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً   اِذَا مَارَأَتْهُ عَامِرٌ وَ سَلُوْلُ
يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ اٰجَالَنَا لَنَا   وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُوْلُ
وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ اَنْفِهٖ   وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيْلُ

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جو لڑائی کو عیب نہیں سمجھتے جب کہ عامر اور سلول کے قبیلے اسے عیب

شمار کرتے ہیں۔

موت کی محبت ہماری موت کے وقتوں کو قریب کرتی ہے اور ان کی موت کے اوقات موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

اور ہمارا کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا اور ہمارے کسی مقتول کا خون ضائع نہیں ہوا۔

اس قصیدہ کو لانے کا مقصد اپنے قبیلے پر فخر کرنا تھا۔ درمیان میں عامر اور سلول کی مذمت کی پھر (اپنے مقصد کو مکمل کرنے کی طرف) رجوع کیا۔

(۱۲) افتنان

دو مختلف فن جمع کرنا جیسے غزل اور حماسہ مدح اور ہجاء تعزیہ او تھنیہ: (کو جمع کرنا)

جیسے: عبداللہ بن ہمام سلولی جب یزید کے پاس گیا اور اسکے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے اسے سلطنت میں اپنا نائب بنایا تھا تو اس وقت عبد اللہ بن ہمام سلولی نے کہا

اٰجَرَکَ اللّٰہ عَلَی الرَّزِیَۃِ وَبَارَکَ لَکَ فِیْ الْعَطِیَّۃِ وَأَعَانَکَ عَلَی الرَّعِیَّۃِ فَقَدْ رُزِئْتَ عَظِیْمًا وَأُعْطِیْتَ جَسِیْمًا فَاشْکُرِ اللّٰہ عَلٰی مَا أُعْطِیْتَ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا رُزِئْتَ فَقَدْ فَقَدْتَ الْخَلِیْفَۃَ وَأُعْطِیْتَ الْخِلَافَۃَ فَفَارَقْتَ خَلِیْلًا وَوُهِبْتَ جَلِیْلًا ۔

اِصْبِرْ یَزِیْدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَاثِقَۃٍ
وَاشْکُرْ حِبَاءَ الَّذِیْ بِالْمُلْکِ اَصْفَاکَ
لَا رُزْءَ اَصْبَحَ فِیْ الْاَقْوَامِ نَعْلَمُہٗ
کَمَا رُزِئْتَ وَلَا عُقْبٰی کَعُقْبَاکَ

تر: اے یزید! اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت پر اجر دے اور اس عطیے (حکومت) میں برکت دے رعایا کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے۔ تم بڑی مصیبت میں مبتلا ہوا اور تمہیں بہت بڑا کام سونپا گیا پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں سلطنت دی گئی۔ اور مصیبت جو پہنچی اس پر صبر کرو تم نے خلیفہ کو کھویا تو تمہیں خلافت دی گئی تم دوست سے جدا ہوئے تو تمہیں بہت بڑی نعمت حاصل ہوئی۔

اے یزید صبر کرو تم ایک با اعتماد شخص (والد گرامی) سے جدا ہوئے اور اس جلیل القدر ہستی کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں اس سلطنت کے لیے منتخب کیا ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا کی قوموں پر اتنی بڑی مصیبت آتی ہو جتنی بڑی تم پر آئی اور کسی کو ایسا اچھا بدلہ ملا ہو جو تمہیں ملا۔

اس پورے قصیدے میں تعزیت اور مبارک باد کو کتنے اچھے انداز میں مختلف فنون کے ساتھ پیش کیا گیا اس کو صنعت افتنان کہتے ہیں۔

(۱۳) جمع

متعدد کو ایک حکم میں اکٹھا کرنا جمع کہلاتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَّةَ

مُفْسِدَةٌ لِلْمَرْءِ اَيُّ مُفْسِدَةٍ

ترجمہ: بے شک جوانی، فراغت اور امیری تینوں چیزیں انسان کے لیے بہت بڑے فساد اور بگاڑ کا باعث ہیں۔

یہاں جوانی، فراغت اور امیری تینوں کو ایک حکم (یعنی فساد) میں جمع کیا ہے۔

(۱۴) تفریق

ایک قسم کی دو چیزوں کے درمیان فرق بیان کرنا تفریق ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِیْعٍ   کَنَوَالِ الاَمِیْرِ یَوْمَ سَخَاءٍ

فَنَوَالُ الاَمِیْرِ بَدْرَۃُ عَیْنٍ   وَنَوَالُ الْغَمَامِ قَطْرَۃُ مَاءٍ

ترجمہ: بہار کے وقت بادلوں کی بارش امیر کی اس بخشش کی طرح نہیں ہوتی جو سخاوت کے دن ہوتی ہے پس امیر کی بخشش اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ہوتی ہے اور بادلوں کی سخاوت پانی کا قطرہ ہے۔ دونوں سخاوتوں کے درمیان فرق بیان کر دیا ہے۔

(۱۵) تقسیم

اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کسی چیز کی تمام اقسام کو پورا کرنا جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْیَوْمِ وَالاَمْسِ قَبْلَهٗ

وَلٰکِنَّنِیْ عَنْ عِلْمِ مَا فِیْ غَدٍ عَمِیْ

ترجمہ: میں آج اور کل (گذشتہ) کا علم رکھتا ہوں لیکن آنے والے کل کے علم سے اندھا ہوں (بے خبر ہوں)

تینوں زمانوں ماضی حال استقبال کا ذکر کر دیا۔

(۲) متعدد کا ذکر کرنا اور ہر ایک کو اس کے مناسب کی طرف تعیین کے ساتھ لوٹانا۔ جیسے شاعر نے کہا

وَلاَ یُقِیْمُ عَلٰی ضَیْمٍ یُرَادُ بِهٖ   اِلَّا الاَذَلَّانِ عَیْرُ الْحَیِّ وَالْوَتَدُ

هٰذَا عَلَی الْخَسْفِ مَرْبُوْطٌ بِرُمَّتِهٖ   وَذَا یُشَجُّ فَلاَ یَرْثِیْ لَهٗ اَحَدُ

ترجمہ: اور کوئی بھی اس قسم کے ظلم پر قائم نہیں رہ سکتا جس کا ارادہ کیا گیا البتہ دو سب

سے زیادہ ذلیل (ٹھہر سکتے ہیں) قبیلے کا گدھا اور دوسرا کھونٹا یہ گدھا اپنی ذلت کے ساتھ اپنی رسی سے بندھا ہوا ہے اور وہ کھونٹا جو ٹھونکا جاتا ہے اس پر کوئی بھی ترس نہیں کھاتا۔

یہاں پہلے عیر اور وتد (گدھے اور کھونٹے) کا ذکر کیا پھر ان کے مناسب بات ذکر کی یعنی گدھے کو باندھنا اور کھونٹے کو ٹھونکنا۔

(۳) یا متعدد اشیاء کو ذکر کرنا اور ان میں سے ہر ایک کے لائق چیز کو اس کی طرف مضاف کرنا جیسے:

سَاَطْلُبُ حَقِّیْ بِالْقَنَا وَمَشَائِخَ ۔۔۔ کَاَنَّهُمْ مِنْ طُوْلِ مَا الْتَثَمُوْا مُرْدُ

ثِقَالٌ اِذَا لَاقُوْا خِفَافٌ اِذَا دُعُوْا ۔۔۔ کَثِیْرٌ اِذَا شَدُّوْا قَلِیْلٌ اِذَا عُدُّوْا

ترجمہ: عنقریب میں اپنا حق نیزوں اور تجربہ کار بوڑھوں کے ذریعے مانگوں گا گویا وہ دیر تک نقاب ڈالنے کی وجہ سے بے ریش نوجوان (سمجھے جاتے) ہیں۔ جب جنگ کرتے ہیں تو بھاری ہوتے ہیں اور جب بلائے جائیں تو ہلکے ہوتے ہیں اور جب وہ حملہ آور ہوں تو زیادہ ہیں اور جب ان کی گنتی کی جائے تو تھوڑے ہیں۔

یہاں ثِقَالٌ اور لَاقُوْا کے درمیان خِفَافٌ اور دُعُوْا کے مابین کَثِیْرٌ اور شَدُّوْا کے درمیان جب کہ قَلِیْلٌ، عُدُّوْا کے درمیان مناسبت ہے تو اس ترتیب سے ان کو لایا گیا۔

(۱۶) طی اور نشر

متعدد کو تفصیل یا اجمال کے طور پر ذکر کرنا پھر ان میں سے ہر ایک کے مناسب کو کسی تعیین کے بغیر محض سننے والے کے ذہن پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کرنا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِه

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس (رات) میں سکون حاصل کرو اور اس کا فضل (دن کے وقت) تلاش کرو۔

تو سکون رات کی طرف لوٹتا ہے اور ابتغاء (تلاش رزق) کا رجوع دن کی طرف ہے۔ (یہاں رات اور دن کا اکٹھا ذکر کر کے ہر ایک کے مناسب بات ذکر فرمائی)

اور شاعر کا قول ہے

ثَـلٰثَةٌ تُشْـــرِقُ الـدُّنْيَـــا بِبَهْـجَتِهَـــا

شَـمْسُ الضُّحٰى وَاَبُوْ اِسْحَاقَ وَالْقَمَرُ.

ترجمہ: تین شخصیات ہیں جن کی چمک سے دنیا روشن ہے اس وقت چاشت کا سورج، ابواسحاق اور چاند۔

یہاں پہلے ثَلٰثَةٌ (تین) کے لفظ سے اجمال بیان کیا اور پھر اس کی تفصیل بیان کی اور تینوں کا نام لیا۔

(۱۷) ارسال مثل اور کلام جامع

ایسا جامع اور مناسب کلام لایا جائے جو بطور ضرب المثل کئی جگہوں پر کام آئے۔ اور دونوں (ارسال مثل اور کلام جامع) میں فرق یہ ہے کہ پہلا شعر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ جیسے

لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ

ترجمہ: آنکھوں میں سرمہ لگانا قدرتی طور پر سرمگین آنکھوں کی طرح ہے۔

اور دوسرا شعر مکمل ہوتا ہے جیسے

إِذَا جَـاءَ مُـوْسَـىٰ وَأَلْقَى الْعَصَـىٰ

فَـقَـدْ بَـطَـلَ السِّـحْـرُ وَالسَّـاحِـرُ

ترجمہ: جب موسیٰ (علیہ السلام) آ گئے اور لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو جادو اور جادوگر دونوں کا وجود ختم ہو گیا۔

ان دو مثالوں میں جو مذکور ہے وہ کئی جگہ ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۱۸) مبالغہ

کسی وصف کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ وہ شدت یا ضعف میں اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ عقل اسے بعید یا محال سمجھتی ہے۔

اس کی تین اقسام ہیں۔

(الف) تبلیغ: جب مدعی عقلی طور پر اور عادتاً ممکن ہو تو اسے تبلیغ کہتے ہیں۔ جس طرح شاعر نے گھوڑے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا

إِذَامَـا سَـابَـقَتْهَـا الـرِّيْـحُ فَـرَّتْ

وَأَلْـقَـتْ فِـيْ يَـدِ الـرِّيْـحِ التُّـرَابَـا

ترجمہ: جب ہوا اس گھوڑے سے مقابلہ کرتی ہے تو وہ ہوا سے آگے بھاگ جاتا ہے اور ہوا کے ہاتھ میں گرد و غبار ڈال دیتا ہے۔ (تو گھوڑے کی تیز رفتاری ممکن ہے)

(ب) اغراق: مبالغہ کی دوسری قسم اغراق ہے یعنی جب مدعیٰ عقلی طور پر ممکن ہو لیکن عادتاً ممکن نہ ہو۔ جیسے شاعر کا قول ہے

وَنُـكْـرِمُ جَـارَنَـا مَـا دَامَ فِـيْـنَـا

وَنُتْبِـعُـهُ الْـكَـرَامَةَ حَيْـثُ مَـالَا

ترجمہ: ہم اپنے پڑوسی کی عزت کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہمارے پاس رہے اور جب وہ چلا جاتا تو ہم عزت کو اس کے پیچھے بھیجتے ہیں۔ (عزت کو پیچھے بھیجنا عادتاً ممکن نہیں)

(ج) غلو۔ مبالغہ کی تیسری قسم غلو ہے یعنی جب مدعیٰ عقلاً اور عادتاً دونوں طرح محال ہو تو اسے غلو کہتے ہیں۔ جیسے شاعر نے کہا

تَکَادُ قِسِیُّہٗ مِنْ غَیْرِ رَامٍ
تُمَکِّنُ فِیْ قُلُوْبِھِمُ النِّبَالَا

ترجمہ: قریب ہے کہ کمانیں تیر چلانے والوں کے بغیر ہی دشمنوں کے دلوں میں تیر چبھا دیں۔

ایسا ہونا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح محال ہے۔

(۱۹) مغایرت

کسی چیز کی مذمت کرنے کے بعد اس کی تعریف کرنا یا اس کے برعکس کرنا (تعریف کرنے کے بعد مذمت کرنا) جیسے دینار کی تعریف میں کہا

اَکْرِمْ بِہٖ اَصْفَرَ رَاقَتْ صُفْرَتُہٗ

ترجمہ: وہ زرد دینار کس قدر عزیز ہے جس کی زردی دیکھنے والے کو پسند آتی ہے (اور حیران کرتی ہے)

یہ بات دینار کی مذمت کرنے کے بعد کہی (مذمت میں کہا)

تَبًّا لَہٗ مِنْ خَادِعٍ مُمَاذِقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے تباہ کرے یہ کس قدر دھوکے باز منافق ہے (خرچ ہوتا ہے ہاتھ سے چلا جاتا ہے)

(۲۰) تاکید مدح مشابہ ذم

(مدح کی تاکید جو مذمت کے مشابہ ہو) اس کی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ مذمت کی منفی صفت سے صفت مدح کو مستثنیٰ کرنا اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ اس میں داخل تھی، جیسے شاعر کا قول ہے

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوفَهُمْ
بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

ترجمہ: ان لوگوں میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرتے کرتے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔

ظاہر میں عیب معلوم ہوتا ہے کہ تلواریں کند ہیں لیکن حقیقت میں تعریف ہے کیونکہ دشمن سے سخت مقابلہ کا ذکر ہے اور اسی وجہ سے تلواروں میں دندانے پڑے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے صفتِ مدح ثابت کی جائے اور اس کے بعد حرف استثناء لایا جائے جس کے ساتھ ہی دوسری صفتِ مدح ملی ہوئی ہو۔

جیسے شاعر کا قول ہے

فَتًى كَمُلَتْ اَوْصَافُهُ غَيْرَ اَنَّهُ
جَوَادٌ فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا

ترجمہ: ایسا جوان جس کے اوصاف کامل ہو گئے سوائے اس کے کہ وہ سخی ہے پس اس کے مال میں سے کچھ نہیں بچتا۔

یہاں اوصاف کا کامل ہونا جو مدح ہے ذکر کیا پھر حرف استثناء ذکر کر کے اسکی سخاوت کا ذکر کیا۔ (لفظ غیر یہاں استثناء کے لیے ہے اور الا کے معنی میں ہے)

(۲۱) تاکیدذم مشابہ مدح

(یعنی ایسے الفاظ کے ساتھ مذمت کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں)

اسکی بھی دو قسمیں ہیں

پہلی قسم: مدح کی منفی صفت سے ہجو (مذمت) کی صفت کو الگ کرنا اور فرض کرنا کہ وہ اس میں داخل تھی۔ جیسے

فُلَانٌ لَا خَیرَ فِیهِ اِلَّا اَنَّهُ یَتَصَدَّقُ بِمَا یَسْرِقُ

ترجمہ: فلاں آدمی میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ وہ جو کچھ چوری کرتا ہے اسے صدقہ کر دیتا ہے۔

چوری کرنے کا ذکر کر کے مذمت کی لیکن اس میں صدقہ کرنے کا بھی ذکر کیا جو مدح ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کس چیز کے لیے صفت ذم ثابت کی جائے۔ اور اس کے بعد حرف استثناء لایا جائے جس کے ساتھ دوسری صفت ذم آئے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

هُوَ الْكَلْبُ اِلَّا اَنَّ فِیهِ مَلَالَةً

وَسُوْءَ مُرَاعَاةٍ وَمَا ذَاكَ فِی الْكَلْبِ

ترجمہ: وہ کتا ہے مگر اس میں تنگ دلی ہے اور وہ بدلحاظ ہے اور یہ بات کتے میں نہیں ہے۔

اس شعر میں کتا کہہ کر مذمت کی اور پھر حرف استثناء (الا) لا کر اس کے بعد اس کی تنگ دلی اور بدلحاظی کا ذکر ہے تو دونوں جگہ مذمت ہے۔

(۲۲) تجرید

ایک صفت والی بات سے ایک دوسری بات جو صفت میں اس کی مثل ہو مبالغہ کے لیے نکالی جائے کہ یہ صفت اس (پہلی بات) میں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

(الف) تجرید کبھی من کے ساتھ ہوتی ہے جیسے۔

لِيْ مِنْ فُلَانٍ صَدِيْقٌ حَمِيْمٌ

ترجمہ: میرے لیے فلاں آدمی سے ایک نہایت قریبی دوست ہے۔

یعنی فلاں آدمی میرا اتنا مخلص دوست ہے کہ اس سے اس کی مثل اور دوست بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

(ب) کبھی تجرید فی کے ساتھ ہوتی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے

لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ

ترجمہ: ان کے لیے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

یعنی جہنم خود ہمیشہ رہنے کا گھر ہے لیکن پھر اس کے اندر ہمیشہ رہنے کا گھر یہ جہنم میں ہمیشہ رہنے کے اعتبار سے مبالغہ ہے۔

(ج) کبھی تجرید باء کے ساتھ ہوتی ہے جیسے

لَئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا لَتَسْئَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ

ترجمہ: اگر تم فلاں سے سوال کرو گے تو یقیناً سمندر سے سوال کرو گے یہ اس شخص کی سخاوت میں مبالغہ ہے۔

(د) تجرید کی ایک صورت انسان کا اپنے آپ کو خطاب کرنا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

لَا خَیْلَ عِنْدَکَ تُھْدِیْھَا وَلَا مَالُ
فَلْیُسْعِدِ النُّطْقُ اِنْ لَّمْ تُسْعِدِ الْحَالُ

ترجمہ: اے ممدوح! تمہارے پاس نہ گھوڑا ہے نہ مال جسے تو ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو (کم از کم) تیرا کلام ہی مدد کرے اگر حال مدد نہیں کر سکتا مطلب یہ ہے کہ اگر مال یا گھوڑے کا تحفہ پیش نہیں کر سکتا ہے تو اس کی تعریف ہی کر دے۔

(ہ) یا تجرید ان تمام (مذکورہ بالا) صورتوں کے علاوہ ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول ہے

فَلَئِنْ بَقِیْتُ لَاَرْحَلَنَّ لِغَزْوَۃٍ
تَحْوِی الْغَنَائِمَ اَوْ یَمُوْتُ کَرِیْمٌ

ترجمہ: اگر میں زندہ رہا تو ایک عظیم غزوہ کے لیے جاؤں گا جو غنیموں کو جمع کرنے کا ذریعہ ہوگا یا ایک شریف آدمی مر جائے گا۔

تو یہاں کریم کہہ کر اس نے اپنے کرم و سخاوت میں مبالغہ سے کام لیا۔

(۲۳) حسن تعلیل

کسی وصف کے لیے علتِ غیر حقیقیہ کا دعویٰ کیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی نادر و عجیب بات ہو جیسے شاعر کا قول ہے

وَلَوْ لَمْ تَکُنْ نِیَّۃُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَہٗ
لَمَا رَأَیْتَ عَلَیْھَا عِقْدَ مُنْتَطِقٖ

ترجمہ: اگر جوزاء کی نیت اس (محبوب) کی خدمت نہ ہوتی تو (اے سننے والے) تم اس کے جسم پر کمر بند کی گرہ نہ دیکھتے۔

یعنی اس کا کمر بند باندھنا خدمت کی دلیل ہی تو ہے۔

(۲۴) اختلاف اللفظ مع المعنی

یعنی لفظ کا معنی کے موافق ہونا اس لیے بھاری بھرکم اور سخت الفاظ فخر اور بہادری کے لیے اور نرم کلمات اور نازک عبارت غزل وغیرہ کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ جیسے شاعر نے کہا

اِذَا مَا غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً
هَتَكْنَا حِجَابَ الشَّمْسِ اَوْ قَطَرَتْ دَمًا
اِذَامَا اَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيْلَةٍ
ذُرٰى مِنْبَرٍ صَلّٰى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا

ترجمہ: جب ہم قبیلہ مضر کی طرح غصہ میں ہوتے ہیں تو سورج کا پردہ چاک کر دیتے ہیں کہ خون ٹپک پڑتا ہے اور جب ہم کسی قبیلہ کے سردار کو منبر کی بلندی پیش کرتے ہیں تو وہ ہماری تعریف کرتا اور سلام پیش کرتا ہے۔

اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے

لَمْ يَطُلْ لَيْلِىْ وَلٰكِنْ لَمْ اَنَمْ
وَنَفٰى عَنِّىْ الْكَرٰى طَيْفٌ اَلَمْ

ترجمہ: میری رات لمبی نہیں ہوئی لیکن میں سویا بھی نہیں محبوب کا تصور میری نیند اڑا کر لے گیا۔

تو یہاں شاعر ایسے الفاظ لایا ہے جو اس کی مراد کے مناسب ہیں۔

محسنات لفظیہ

وہ باتیں جو الفاظ میں حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسنات لفظیہ کہتے ہیں اور یہ نو

ہیں۔

(۱) تشابہ الاطراف:

تشابہ الاطراف یہ ہے کہ کہ جملہ کے آخری لفظ کو اسکے بعد آنے والے جملہ کے شروع میں بھی لایا جائے یعنی جملہ کا آغاز بنایا جائے یا کسی شعر کے آخری لفظ کو آنے والے شعر کا شروع (والاکلمہ) بنایا جائے جیسے ارشاد خداوندی ہے

فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ

ترجمہ: اس (طاق) میں ایک چراغ ہے چراغ ایک شیشے میں (رکھا ہوا) گویا وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے فیھا مصباح پہلا جملہ ہے اور اس کا آخری لفظ مصباح دوسرے جملہ کے شروع میں بھی ہے دوسری مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

اِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ اَرْضًا مَرِيْضَةً تَتَبَّعَ اَقْصٰى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَامِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِىْ بِهَا غُلَامٌ اِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا

ترجمہ: جب حجاج کسی بیمار زمین پر اترتا ہے تو سب سے پہلے اس زمین کی انتہائی بیماری کی تشخیص کر کے اسے شفا دیتا ہے وہ اسے ایسی لاعلاج بیماری سے شفاء دیتا ہے جو اس میں ہے وہ ایسا نوجوان ہے کہ جب نیزے کو ہلاتا ہے تو اسے سیراب کر کے چھوڑتا ہے۔

پہلے شعر کے آخر میں لفظ شفاھا ہے اور یہی لفظ دوسرے شعر کے شروع میں ہے

(۲) جناس:

دو لفظوں کا تلفظ میں باہم مشابہ ہونا اور معنی میں متشابہ نہ ہونا جناس کہلاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) جناس تام (۲) جناس غیر تام

جناس تام وہ ہے جس کے حروف ہیئت (شکل) نوع، عدد اور ترتیب میں متفق ہوں۔

جناس تام کی چار قسمیں ہیں

(۱) متماثل (۲) مستوفی (۳) متشابہ (۴) مفروق

(۱) متماثل: ایک نوع کے دو لفظوں کے درمیان اتحاد ہو تو وہ متماثل ہے جیسے

لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ اِنْسَانًا يُلَاذُ بِهٖ فَلَا بَرِحْتَ لِعَيْنِ الدَّهْرِ اِنْسَانًا

ترجمہ: ہم نے تمہارے علاوہ کوئی ایسا انسان نہیں پایا جس کی پناہ حاصل کی جائے تم ہمیشہ کے لئے زمانے کی آنکھ کی پتلی ہو۔

یہاں لفظ انسان دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں کا ایک نوع سے تعلق ہے یعنی دونوں اسم ہیں اور دونوں شکل (حرکات و سکنات) ترتیب حروف اور تعداد حروف میں بھی ایک جیسے ہیں۔

(۲) مستوفی: اگر دونوں لفظوں کی انواع مختلف ہوں تو وہ مستوفی ہے جیسے شاعری کا قول ہے

فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ دَارِهِمْ وَاَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ اَرْضِهِمْ

ترجمہ: ان سے نرمی سے پیش آؤ جب تک ان کے گھر میں رہو اور ان کو راضی رکھو جب

تک ان کی زمین میں رہو۔

فَدَارِهِمْ۔ میں دَارِهِمْ کا معنی ان سے نرمی سے پیش آؤ یہ فعل امر ہے اور دوسرا دَارِهِمْ مضاف مضاف الیہ جس میں لفظ دار اسم ہے لہذا نوع میں اختلاف ہے۔ (ایک اسم دوسرا فعل) ترتیب الفاظ اور ہیئت (حرکات وسکنات) میں ایک جیسے ہیں۔

اسی طرح پہلا ارض (امر کا صیغہ) فعل ہے اور دوسرا ارض اسم ہے۔

(۳) متشابہ

اگر دو ایسے لفظوں کے درمیان جناس تام ہو جن میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو اور خط (کتابت) میں متفق ہوں تو یہ بھی جناس تام ہے اور اسے متشابہ کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

اِذَامَلِکٌ لَمْ یَکُنْ ذَاهِبَةٍ فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهٗ ذَاهِبَةٌ

ترجمہ: جب کوئی بادشاہ عطا کرنے والا نہ ہو تو اسے چھوڑ دو پس اس کی دولت جانے والی ہے۔

یہاں پہلا ذاهبة مرکب ہے وہ ذا اور هبة سے مل کر بنا ہے اور دوسرا ذاهبة (اسم فاعل واحد مونث) مفرد ہے لکھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

مفروق

اگر دو ہم جنس لفظوں میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو لیکن کتابت میں ایک جیسے نہ ہوں تو یہ جناس تام مفروق ہے جیسے۔

کُلُّکُمْ قَدْاَخَذَالْجَامَ وَلَاجَامَ لَنَا

مَاالَّذِیْ ضَرَّ مُدِیْرَالْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نے جامِ شراب لے لیا اور ہمارے لیے جام نہیں کیا چیز ساقی کو نقصان پہنچاتی اگر وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا۔

پہلے مصرعہ میں جام لنا مرکب ہے جام الگ اور لنا الگ کلمہ ہے جب کہ دوسرے میں جَامَلَنَا مفرد ہے یعنی وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور انداز تحریر بھی دونوں کی الگ ہے۔

غیر تام

جناس کی دوسری قسم غیر تام ہے یعنی دو ہم جنس مذکورہ بالا چار امور ہیئت نوع عدد اور ترتیب میں سے کسی ایک میں مختلف ہوں اس کی چار صورتیں ہیں۔

محرف: صرف ہیئت میں دو لفظ مختلف ہوں تو یہ محرف ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ

ترجمہ: یمنی دھاری دار کپڑے کا جبہ سردی کی ڈھال ہے۔

یہاں جبۃ اور جنۃ میں ہیئت کے اعتبار سے فرق ہے باقی چیزوں میں متفق ہیں۔

مطرف: جب دو لفظ صرف تعدادِ حروف میں مختلف ہوں اور لفظ کی زیادتی شروع میں ہو۔ جیسے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاق

ترجمہ: اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اس دن تیرے رب کی طرف ہانکنا ہے۔

یہاں "مساق" کے شروع میں ایک حرف میم زائد ہے۔

یا درمیان میں اضافہ ہو جیسے:

جَدِّیْ جُهْدِیْ

ترجمہ: میری مالداری میری کوشش ہے

یہاں درمیان میں " ھا " زائد ہے جَدِّی مشدد مخفف کے حکم میں ہے لہذا

جد دو دال شمار نہیں ہوں گی۔(مختصر المعانی)

مذیل: اگر آخر میں حرف زائد ہوتو اسے مذیل کہتے ہیں۔جیسے

يُمِدُّوْنَ مِنْ اَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمٍ تَصُوْلُ بِاَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبٍ

ترجمہ: وہ لوگ جنگ کے وقت ایسے ہاتھوں کو بڑھاتے ہیں جو دشمن کے مقابلہ میں سرکش

اور دوستوں کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔

وہ ایسی تلواروں سے حملہ کرتے ہیں جو فیصلہ کرنے والی ہلاک کرنے والی ہیں

عَوَاصٍ' عَاصِيَةٌ کی جمع ہے اور عَوَاصِمٌ۔ عَاصِمَةٌ کی جمع ہے قَوَاضٍ قَاضِيَةٌ

کی جمع اور قَوَاضِبُ ' قَاضِبَةٌ کی جمع ہے۔

عَوَاص کے مقابلے میں عواصم کے آخر میں میم زائد ہے اسی طرح

قواض کے مقابلے میں قواضب کے آخر میں باء زائدہ ہے۔

مضارع: اگر دونوں کے حروف مختلف ہوں لیکن مخارج کے اعتبار سے دوری نہ ہو تو اس

کو مضارع کہتے ہیں جیسے يَنْهَوْنَ اور يَنْئَوْنَ۔ ایک میں ہا اور دوسرے میں ہمزہ ہے لیکن

دونوں کا مخرج ایک ہے۔

لاحق: اگر مخرج میں ایک دوسرے سے دور ہوں تو یہ صورت جناس غیر تام لاحق کہلاتی

ہے۔جیسے

اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ

ترجمہ: بے شک وہ اس پر گواہ ہے۔اور بے شک وہ مال کی چاہت میں ضرور سخت ہے۔

یہاں شہید اور شدید میں یہ فرق ہے کہ پہلے میں ہا اور دوسرے میں دال ہے اور دونوں کا مخرج الگ الگ ہے۔

جناس قلب

اگر صرف ترتیب حروف میں فرق ہو تو اسے جناس قلب کہتے ہیں۔

مثلاً: نیل اور لین دونوں میں حروف ایک جیسے ہیں لیکن ترتیب میں مختلف ہیں اسی طرح ساق اور قاس کے حروف بھی ایک جیسے ہیں لیکن ترتیب میں اختلاف ہے۔

(۳) تصدیر

تصدیر کو رد العجز علی الصدر بھی کہتے ہیں اس کی دو صورتیں ہیں

نثر میں تصدیر:

نثر میں دو مکرر یا دو ہم جنس لفظ یا ایسے دو لفظ جو دو ہم جنس لفظوں سے ملحق ہوں یعنی ان دونوں کو اشتقاق یا شبہ اشتقاق نے اکٹھا کیا ہو تو ایسے دو لفظوں میں سے ایک جملہ کے شروع میں اور دوسرا اس جملہ کے آخر میں ہو تو یہ نثر میں تصدیر ہے۔ جیسے

پہلی مثال: وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ

ترجمہ: اور تم، لوگوں سے ڈرتے ہو اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو۔

یہاں تخشی دو جگہ آیا ایک جملہ کے شروع میں اور دوسرا آخر میں یہ مکرر الفاظ کی مثال ہے۔

دوسری مثال: سَائِلُ اللَّئِیْمِ یَرْجِعُ وَدَمْعُهُ سَائِلٌ

ترجمہ: اور بخیل (کنجوس) سے مانگنے والا ایسی حالت میں واپس آتا ہے۔ کہ اس کے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔

پہلا سائل' سوال سے اور دوسرا سیلان سے بنا ہے۔تو یہ دونوں لفظ ہم جنس اور مکرر ہیں۔

تیسری مثال: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا

ترجمہ: اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔

چوتھی مثال: قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِنَ الْقَالِیْنَ

ترجمہ: میں تمہارے عمل کو برا سمجھنے والوں میں سے ہوں

اِسْتَغْفِرُوْا اور غَفَّارًا میں اشتقاق کی وجہ سے باہم تعلق ہے کیونکہ دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے اور وہ غفر ہے۔

آخری مثال میں قال اور قالین کا مادۂ اشتقاق الگ الگ ہے۔قال' قول (کہنا) سے بنا ہے اور قالین قلی (برا سمجھنا) سے بنا ہے۔لہذا دونوں کا مادۂ اشتقاق الگ الگ ہے صرف شبہ اشتقاق ہے۔

نظم میں تصدیر:

ایک لفظ شعر کے آخر میں اور دوسرا لفظ مصرعہ اول کے شروع میں یا اس کے بعد ہو۔جیسے شاعر کا قول ہے

سَرِیْعٌ اِلَی ابْنِ الْعَمِّ یَلْطِمُ وَجْھَہٗ وَلَیْسَ اِلٰی دَاعِی النَّدٰی بِسَرِیْعٖ

ترجمہ: تو چچا زاد بھائی کے چہرے پر طمانچہ مارنے میں بہت تیز ہے لیکن فیاضی کی دعوت دینے والے امور میں تیز نہیں ہے۔

یہاں لفظ سریع پہلے مصرعہ کے شروع میں اور دوسرے کے آخر میں ہے۔

اسی طرح شاعر کا قول ہے

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيْمِ عَرَارِ نَجْدٍ   فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارٍ

ترجمہ: نجد کے خوشبودار درخت عرار کی خوشبو سے فائدہ اٹھالو کیونکہ آج کی شام کے بعد عرار نہیں ملے گا۔

یہاں لفظ عرار ایک مصرعہ کے درمیان میں اور دوسرے کے آخر میں ہے۔

(۴) سجع

نثر کے آخر میں دو فاصلوں (یعنی دو فقروں کے آخری کلموں) کے درمیان توافق (موافقت) کو سجع کہتے ہیں۔ سجع کی تین اقسام ہیں۔

(الف) مطرف: اگر وزن میں دونوں کلمے مختلف ہو جائیں تو یہ سجع مطرف ہے۔ جیسے

اَلْاِنْسَانُ بِآدَابِهٖ لَا بِزِیِّهٖ وَثِیَابِهٖ

ترجمہ: انسان اچھے اخلاق سے انسان ہوتا ہے شان و شوکت اور لباس سے نہیں۔

یہاں آدابہ اور ثیابہ وزن میں مختلف ہیں۔

(ب) متوازن: اگر دونوں وزن میں ایک جیسے ہوں تو اسے سجع متوازن کہتے ہیں۔ جیسے:

اَلْمَرْءُ بِعِلْمِهٖ وَآدَابِهٖ لَا بِحَسَبِهٖ وَنَسَبِهٖ

یہاں بعلمہ اور نسبہ میں توازن ہے۔

ترجمہ: آدمی اپنے علم اور آداب سے ہوتا ہے حسب و نسب سے نہیں۔

(ج) مرصع: اگر دونوں کے تمام یا اکثر الفاظ وزن اور قافیہ میں موافق ہوں تو اسے سجع مرصع کہا جاتا ہے جیسے کہا گیا ہے۔

یَطْبَعُ الْاَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهٖ   وَیَقْرَعُ الْاَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهٖ

ترجمہ: وہ اپنے الفاظ کے جواہر سے ہم وزن اور مقفیٰ عبارتیں بناتا ہے اور اپنے واعظ کی ڈانٹ ڈپٹ سے کانوں کو کھٹکھٹاتا ہے

یہاں یطبع اور یقرع ' الاسجاع اور الاسماع ' جو اهر لفظه اور

بز او جر و عظه ہم وزن اور ہم قافیہ الفاظ میں موافق ہیں۔

(۵) مالا یستحیل بالانعکاس (قلب)

محسنات لفظیہ کی پانچویں قسم مالا یستحیل بالانعکاس ہے اور اس کو قلب

بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبارت کو الٹا کر کے پڑھنے سے کوئی تبدیلی

نہیں آتی یعنی سیدھا پڑھیں یا الٹا دونوں طرح صحیح ہے۔ جیسے

كُنْ كَمَا اَمْكَنَكَ ۔ اور رَبَّكَ فَكَبِّرْ۔

شروع کا حرف کاف ہے آخر میں بھی کاف ہے دوسرا حرف نون ہے۔ آخر سے

پہلا بھی نون ہیں وغیرہ۔

اگر آخری حرف کو پہلے اور اس کے بعد اس سے پہلے والا رکھا جائے پھر اسی طرح

پیچھے کو چلتے جائیں تو وہی کن امکنك بن جائے گا۔ اسی طرح ربك فكبر میں بھی ہے۔

(۶) عکس:

کلام کے کسی جزء کو مقدم کر کے اُلٹ کیا جائے تو یہ عکس ہے مثلاً

حُرُّ الْكَلَامِ كَلَامُ الْحُرِّ

ترجمہ: آزاد کلام آزاد کا کلام ہے

یہاں حر الکلام میں سے کلام کو پہلے اور حر کو بعد میں کر کے پھر آخری

لفظ کلام الحر کو مقدم کریں تو یہی جملہ بن جائے گا۔ یعنی حر الکلام کلام الحر۔

(۷) تشریع

شعر کی بنیاد دو قافیوں پر اس طرح رکھنا کہ اگر اس کا کچھ حصہ ساقط ہو جائے تو باقی

شعر مفید رہے۔جیسے

يَا اَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِىْ عَمَّ الْوَرٰى مَا فِىْ الْكِرَامِ لَهٗ نَظِيْرٌ يُنْظَرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرُ فِىْ عَصْرِنَا مَا كَانَ فِىْ الدُّنْيَا فَقِيْرٌ مُعْسِرُ

ترجمہ: اے بادشاہ! جس کی حکومت تمام مخلوق پر ہے سخاوت کرنے والوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں جس کی طرف نظر کی جائے اگر تمہارے جیسا کوئی اور ہمارے زمانے میں ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی فقیر تنگدست نہ ہوتا۔

اگر یہاں سے آخری چار حصے عم الوری' ینظر' فی عصرنا اور معسر کو حذف کر دیں تو بھی صحیح مفہوم باقی رہتا ہے۔

یعنی اب یوں ہو جائے گا

يَا اَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِىْ مَا فِىْ الْكِرَامِ لَهٗ نَظِيْرٌ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخر مَا كَانَ فِىْ الدُّنْيَا فَقِيْرٌ

ترجمہ: اے بادشاہ! جس کی کریم لوگوں میں کوئی نظیر نہیں اگر تیری طرح کوئی اور بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ ہوتا۔

(۸) مواربہ

متکلم کا اپنے کلام کو ایسا بنانا کہ وہ بوقت ضرورت اس کے معنی میں تحریف یا تصحیف (یعنی تبدیلی) کر سکے تا کہ وہ مواخذہ سے محفوظ رہ سکے۔

جیسے ابونواس کا قول ہے

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِىْ عَلٰى بَابِكُمْ كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلٰى خَالِصِه

ترجمہ: میرا شعر تمہارے دروازے پر اس طرح ضائع ہوا جیسے شاہی ہار خالصہ (ہارون الرشید کی لونڈی) پر ضائع ہوا۔

جب ہارون الرشید نے اس پر اعتراض کیا اور سخت گرفت کی تو اس نے کہا

میں نے تو یہ صرف کہا

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِکُمْ   کَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلٰی خَالِصِه

ترجمہ: میرا شعر تمہارے دربار میں ایسا چمکا جیسے شاہی ہار خالصہ پر چمکا۔

تو شاعر نے ضاع کی عین کو ہمزہ سے بدل کر ضاء پڑھا جس سے معنی بدل گیا

اور وہ مواخذہ سے بچ گیا۔

(۹) ائتلاف اللفظ مع اللفظ

عبارت کے الفاظ مانوس اور نامانوس ہونے میں ایک ہی وادی (یعنی نوع) سے

ہوں۔ یعنی مانوس ہونے یا غیر مانوس ہوتے میں ایک دوسرے کے موافق ہوں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ

ترجمہ: اللہ کی قسم آپ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر نہیں چھوڑیں گے۔

یہاں قسم میں حرف تاء ہے جو حروف قسم میں غیر مانوس ہے اور اس کے بعد تفتا

لایا گیا جو استمراری فعلوں میں سب سے زیادہ غیر مانوس ہے۔

سرقۂ کلام

سرقہ کا معنی کسی کا مال چرانا ہے یہاں دوسرے شخص کے کلام کا سرقہ مراد ہے سرقۂ

کلام کی کئی اقسام ہیں۔

نسخ اور انتحال

پہلی صورت

نثر لکھنے والا یا شاعر کسی دوسرے شخص کے الفاظ کو تبدیل کیے بغیر اسکے مضمون کو اپنے کلام میں لائے تو سرقہ کو نسخ وانتحال کہتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن زبیر (شاعر) نے معن بن اوس کے دو شعر لیے اور دعویٰ کیا کہ یہ اس کے اپنے شعر ہیں۔ وہ شعر یہ ہیں۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ اَخَاکَ وَجَدْتَهٗ
عَلٰی طَرْفِ الْهِجْرَانِ اِنْ کَانَ یَعْقِلُ
وَیَرْکَبُ حَدَّ السَّیْفِ مِنْ تَضِیْمِهٖ
اِذَا لَمْ یَکُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّیْفِ مَزْحَلُ

ترجمہ: جب تم اپنے بھائی کے ساتھ انصاف نہیں کرو گے تو تم اسے جدائی کے کنارے پر پاؤ گے اگر وہ عقلمند ہو اور وہ ظلم کی وجہ سے تلوار کی دہار پر سوار ہو جائے گا جب تلوار کی دہار سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔

دوسری صورت

اسی طرح دوسرے شاعر وغیرہ کے الفاظ کو متراوف الفاظ سے بدل دیا جائے جیسے حطیئہ (شاعر) کا قول ہے

دَعِ الْمَکَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْیَتِهَا
وَاقْعُدْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الطَّاعِمُ الْکَاسِیْ

اسے یوں بدل دیا گیا

ذَرِ الْمَآثِرَ لَا تَذْهَبْ لِمَطْلَبِهَا
وَاجْلِسْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْاٰکِلُ اللَّابِسُ

ترجمہ: تم عمدہ اخلاق کو چھوڑ دو اور ان کی تلاش میں نہ ہو جاؤ اور بیٹھ جاؤ کیونکہ تم صرف کھانے اور پہننے والے ہو۔

پہلے شعر اور دوسرے شعر دونوں کا ایک مطلب ہے الفاظ مترادف ہیں دع کی جگہ ذر، لا ترحل کی جگہ لا تذھب، لبغیتھا کی جگہ لمطلبھا اعقد کی اجلس الطاعم کی جگہ الاکل اور الکاسی کی جگہ اللابس ہے۔

تیسری صورت

اس کے قریب قریب ہے کہ دوسرے شخص کے الفاظ کو (مترادف کی بجائے) ان کی ضد کے ساتھ بدل دیا جائے۔ لیکن نظم اور ترتیب کا خیال رکھا جائے مثلاً حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے

بِیضُ الْوُجُوْہِ کَرِیمَۃٌ اَحْسَابِھِمْ   شُمُّ الاُنُوْفِ مِنَ الطَّرَازِ الاَوَّلِ

ترجمہ: وہ لوگ خوبصورت چہرے والے ہیں خاندانی طور پر معزز ہیں اونچی ناک والے اور بزرگی میں اول درجہ پر فائز ہیں۔

اگر اس شعر میں الفاظ کو ان کی ضد سے بدلا جائے تو یوں پڑھا جائے گا۔

سُوْدُ الْوُجُوْہِ لَئِیمَۃٌ اَحْسَابِھِمْ   فُطْسُ الاُنُوْسِ مِنَ الطَّرَازِ الآخِرِ

ترجمہ: وہ لوگ بدصورت چہرے والے اور برے نسب والے ہیں چپٹی ناک والے اور دوسرے درجہ کے لوگ ہیں۔

بیض (سفید) کی جگہ سوذ (سیاہ) کریمۃ (معزز) کی جگہ لئیمۃ (غیر معزز) شم الانوف (اونچی ناک) کی جگہ فطس الانوف (چپٹی ناک) اور الطراز الاول (پہلا درجہ) کی جگہ الطراز الاخر (دوسرا درجہ) کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جو پہلے شعر کے الفاظ کی ضد اور مخالف ہیں۔

اغارہ

پہلے کلام کا معنیٰ لیا جائے اور الفاظ بدل دیے جائیں اور دوسرا کلام، پہلے کلام کے

مقابلے میں دوسرے درجے کا یا اس کے مساوی ہو اسے اغارہ اور مسخ کہتے ہیں جیسے ابوتمام کا قول ہے۔

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ　　إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيْلُ

ترجمہ: افسوس! زمانہ ممدوح کی مثل نہ لا سکا بے شک زمانہ اس کی مثل لانے میں بخیل ہے۔

ابوالطیب متنبی نے اس قول میں یوں کہا

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ　　وَلَقَدْ يَكُوْنُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيْلًا

ترجمہ: اس کی سخاوت زمانے تک متعدی ہوگئی تو اس نے ممدوح کی سخاوت ہی کردی بے شک زمانہ اس سلسلے میں بڑا بخیل ہوتا ہے۔

یہاں دوسرا مصرعہ ابوتمام کے دوسرے مصرعہ سے ماخوذ ہے اور پہلا قول یعنی ابوتمام کا قول (ان الزمان الخ) زیادہ سلیس اور آسان ہے۔

المام وسلخ

سرقہ کی ایک قسم یہ ہے کہ سرقہ کرنے والا صرف معنی لے اور دوسرا قول پہلے قول کے مقابلے میں کم درجہ رکھتا ہو یا اس کے مساوی ہو۔ اسے المام اور سلخ کہا جاتا ہے۔

ایک شخص نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِيْ الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا　　إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ

ترجمہ: صبر ہر جگہ قابل تعریف ہوتا ہے سوائے تمہارے کہ تم پر صبر قابل تعریف نہیں ہے۔

ابوتمام نے سرقہ کرتے ہوئے اس قول میں کہا

وَقَدْ كَانَ يُدْعٰى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا　　فَأَصْبَحَ يُدْعٰى حَازِمًا حِيْنَ يَجْزَعُ

ترجمہ: پہلے ایسے شخص کو دور اندیش کہا جاتا تھا جو صبر کی صفت سے موصوف ہو لیکن اب اس شخص کو دور اندیش کہا جاتا ہے جو پریشان ہو۔

مندرجہ بالا دونوں اشعار میں صبر کا ایک ہی مفہوم بیان کیا گیا لیکن پہلے شعر میں عمدہ طور پر بیان کیا گیا۔

اقتباس

سرقہ کی ایک صورت اقتباس ہے اور اقتباس کی تعریف یہ ہے کہ (کسی شاعر کا) کلام قرآن وحدیث کے کسی حصے پر مشتمل ہو لیکن یہ نہ کہا جائے کہ یہ قرآن پاک سے ہے مثلاً شاعر کا قول ہے۔

لَا تَكُنْ ظَالِمًا وَلَا تَرْضَ بِالظُّلْمِ   وَاَنْكِرْ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ

يَوْمَ يَاْتِيَ الْحِسَابُ بِالظُّلُوْمِ   مَا مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُطَاعُ

ترجمہ: نہ ظلم کرو اور نہ ظلم پر راضی ہو جس قدر ہو سکے ان دونوں باتوں سے انکار کرو جب ظلم کے حساب کا دن آئے گا تو نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا جس کی بات قبول کی جائے۔

اس شعر کا آخری حصہ ''من حمیم ولا شفیع یطاع'' قرآن مجید سے ہے۔

اسی طرح شاعر نے کہا

لَا تُعَادِ النَّاسَ فِيْ اَوْطَانِهِمْ   قَلَّمَا يُرْعٰى غَرِيْبُ الْوَطَنِ

وَاِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ   خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ

ترجمہ: لوگوں سے ان کے وطنوں میں دشمنی نہ کرو کیونکہ بہت کم پردیسی کا لحاظ کیا جاتا ہے جب تم ان کے درمیان رہنا چاہو تو لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

اس شعر کا آخری حصہ '' خالق الناس بخلق حسن'' حدیث شریف سے لیا گیا۔

نوٹ: وزن وغیرہ کے لیے قرآن وحدیث سے لیے گئے الفاظ میں تھوڑی سی تبدیلی

میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے

قَدْ کَانَ مَا خِفْتُ اَنْ یَکُوْنَا　　اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاجِعُوْنَا

ترجمہ: جس بات کے ہونے کا خوف تھا وہ ہو گئی بے شک ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں قرآن مجید میں "انا للہ و انا الیہ راجعون" ہے اور یہاں وزنِ شعر کی وجہ سے تبدیلی کر دی گئی۔

تضمین

تضمین بھی سرقۂ کلام کی ایک صورت ہے اس کو ایداع بھی کہتے ہیں۔ تضمین یہ ہے کہ کوئی شاعر اپنے شعر میں کسی دوسرے شاعر کے شعر کا کچھ حصہ داخل کرے اور اس بات سے آگاہ کرے کہ یہ فلاں کے شعر ہے اگر وہ مشہور نہ ہو جیسے شاعر کا قول ہے۔

اِذَا ضَاقَ صَدْرِیْ وَخِفْتُ الْعِدَا　　تَمَثَّلْتُ بَیْتًا بِحَالِیْ یَلِیْقُ

فَبِاللّٰہِ اَبْلُغُ مَا اَرْتَجِیْ　　وَ بِاللّٰہِ اَدْفَعُ مَا لَا اُطِیْقُ

ترجمہ: جب میرا دل تنگ ہو جاتا ہے اور میں دشمن سے ڈرنے لگتا ہوں تو میں ایسا شعر پڑھتا ہوں جو میرے حال کے لائق ہے پس قسم بخدا! میں وہاں تک پہنچتا ہوں جو میں چاہتا ہوں پس اللہ کی مدد سے اس مشکل کو دور کرتا ہوں جس کی طاقت نہیں رکھتا۔

دوسرا شعر کسی دوسرے شاعر کا ہے جس پر شاعر کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ میں وہ شعر پڑھتا ہوں جو میرے حال کے مناسب ہے۔

نوٹ: اس سلسلے میں معمولی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے

اَقُوْلُ لِمَعْشَرٍ غَلِطُوْا وَغَضُّوْا　　مِنَ الشَّیْخِ الرَّشِیْدِ وَاَنْکَرُوْہُ

ھُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعِ الثَّنَایَا　　مَتٰی یَضَعُ الْعِمَامَۃَ تَعْرِفُوْہُ

ترجمہ: میں (یہودیوں کے) اس گروہ سے کہتا ہوں جنہوں نے حقوق پہنچانے میں غلطی کی

اوراس عقلمند بوڑھے سے نظر پھیر لی انہوں نے اسے اجنبی سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ غیر معمولی مشہور اور تجربہ کار شخص کا بیٹا ہے جب وہ دستار اتارے گا تو تم اسے پہچان لوگے۔

یہاں دوسرا شعر تضمین کے لیے لایا گیا جو دوسرے شاعر کا ہے اور اس میں کچھ ردوبدل ہے اصل یوں تھا۔

اَنَا ابْنُ جَلاَ وَطَلاَّعِ الثَّنَايَا مَتٰى اَضَعُ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوْنِىْ

عقد وحل

عقد کا مطلب نثری کلام کو منظوم بنانا ہے جب کہ منظوم کلام کو نثر میں بدلنا حل ہے

عقد کی مثال یہ ہے۔

وَالظُّلْمُ مِنْ شَيَمِ النُّفُوْسِ فَاِنْ تَجِدْ

ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لاَ يَظْلِمُ

ترجمہ: ظلم کرنا طبیعتوں کی خصلت سے ہے پس اگر تم کسی کو اس سے بچنے والا پاؤ تو وہ کسی وجہ سے ظلم نہیں کر رہا۔

اس میں کسی دانا کے قول کا عقد ہے (نثر سے نظم بنائی گئی) وہ نثری کلام یہ ہے۔

اَلظُّلْمُ مِنْ طِبَاعِ النَّفْسِ وَاِنَّمَا يَصُدُّهَا عَنْهُ اِحْدىٰ عِلَّتَيْنِ دِيْنِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْمَعَادِ وَدُنْيَوِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْعِقَابِ الدُّنْيَوِيِّ.

ترجمہ: ظلم نفس کی فطرت سے ہے اس سے صرف دو باتیں روکتی ہیں ایک دینی ہے اور وہ آخرت کا خوف اور دوسری دنیوی ہے اور وہ دینوی سزا کا خوف ہے۔

حل کی مثال یہ ہے کہ کسی دانا کا نثری قول یوں ہے۔

اَلْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَاجُوْرَةٌ وَمَكْرُمَةٌ مَاْثُوْرَةٌ وَمَعَ هٰذَا فَنَحْنُ الْمَرْضٰى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ وَكُلُّ وِدَادٍ لاَيَدُوْمُ فَلَيْسَ بِوِدَادٍ.

ترجمہ: بیمار پرسی سنت ہے جس پر اجر ملتا ہے اور ایک اچھا کام ہے جو نسل در نسل چل رہا ہے اس کے باوجود ہم بیمار بھی ہیں اور بیمار پرس بھی اور جو محبت دائمی نہ ہو محبت نہیں۔

اس نثری عبادت کو کسی نے نظم کی شکل دیتے ہوئے کہا

اِذَامَرِضْنَا اَتَیْنَا کُمْ نَعُوْدُ کُمْ وَتُذْنِبُوْنَ فَنَاْتِیْکُمْ وَنَعْتَذِرُ

ترجمہ: جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو بھی تمہارے پاس آ کر تمہاری عیادت کرتے ہیں اور جب تمہارا قصور ہوتا ہے تو ہم تمہارے پاس آ کر معذرت کرتے ہیں۔

تلمیح

متکلم اپنے کلام میں کسی آیت یا کسی حدیث یا کسی مشہور شعر یا کسی معروف مثل یا قصہ کی طرف اشارہ کرے تو اسے تلمیح کہا جاتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

لَعَمْرٌو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارِ تَلْتَظِی

اَرَقُّ وَاَحْفٰی مِنْکَ فِیْ سَاعَۃِ الْکَرْبِ

ترجمہ: اللہ کی قسم! عمرو گرم زمین اور بھڑکتی ہوئی آگ کے ساتھ رہنے کے باوجود مصیبت کے وقت تم سے زیادہ مہربان شفیق ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ایک دوسرے مشہور شعر کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس طرح ہے

اَلْمُسْتَجِیْرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ کُرْبَتِہٖ

کَالْمُسْتَجِیْرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

ترجمہ: جو شخص مصیبت کے وقت عمرو (جساس بن مروہ) کی پناہ میں آتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو گرمی سے بچنے کے لیے آگ کی پناہ لیتا ہے۔

حُسن ابتداء

حُسن ابتداء یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے شروع میں شیریں الفاظ، عمدہ تراکیب اور صحیح معنیٰ لائے۔

براعۃ استہلال

پھر جب یہ کلام مقصود کی طرف لطیف اشارے پر مشتمل ہو تو اسے براعۃ استہلال کہتے ہیں۔

جیسے مرض دور ہونے پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے شاعر نے کہا

اَلْمَجْدُ عُوفِیَ اِذَا عُوفِیْتَ وَالْکَرَمُ

وَزَالَ عَنْکَ اِلٰی اَعْدَائِکَ النُّقَمُ

ترجمہ: (اے ممدوح!) جب تمہیں صحت وتندرستی اور بخشش وکرم حاصل ہو جائے تو گویا شرف وکرم کو عافیت وتندرستی حاصل ہوگئی اور بیماری تم سے دور ہو کر تمہارے دشمنوں کی طرف چلی گئی۔

اسی طرح محل کی تعمیر پر ایک شاعر نے مبارک باد دیتے ہوئے کہا

قَصْرٌ عَلَیْهِ تَحِیَّۃٌ وَسَلَامٌ　　خَلَعَتْ عَلَیْهِ جَمَالَهَا الاَیَّامُ

ترجمہ: وہ ایک ایسا محل ہے اس پر تحیت وسلام ہو اسے زمانے نے اپنی رونق اور جمال کا لباس پہنایا ہے۔

حُسن تخلص

متکلم کا اپنے ابتدائی کلام سے مقصود کی طرف اس طرح منتقل ہونا کہ دونوں کے درمیان مناسبت کا لحاظ رکھے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

دَعَتِ النَّوٰی بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوْا وَقَضَی الزَّمَانُ بَیْنَهُمْ فَتَبَدَّدُوْا
دَھْرٌ ذَمِیْمُ الْحَالَتَیْنِ فَمَا بِهٖ شَیْءٌ سِوٰی جُوْدِ ابْنِ اَرْتَقَ یُحْمَدُ

ترجمہ: سفر کے ارادے نے ان کو جدائی پر مجبور کیا پس وہ بکھر گئے اور زمانے نے بھی ان کے درمیان فیصلہ کیا تو وہ جدا جدا ہو گئے زمانہ دونوں حالتوں میں قابلِ مذمت ہے لہذا اس کے ساتھ ابن ارتق کی سخاوت کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تعریف کی جائے۔

یہاں اصل مقصود ابن ارتق کی تعریف کرنا تھا اس لیے شاعر ابتدائی کلام سے اس طرف منتقل ہو۔

براعۃ الطلب

طالب اپنے مافی الضمیر کی طرف اشارہ کرے واضح الفاظ میں بیان نہ کرے تو یہ براعۃ الطلب ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَفِی النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِیْکَ فَطَانَۃٌ
سُکُوْتِیْ کَلَامٌ عِنْدَھَا وَخِطَابُ

ترجمہ: دل میں حاجات ہیں اور تمہارے پاس ذہانت ہے حاجات کے وقت میری خاموشی کلام اور خطاب ہے۔

حسن انتہاء

کلام کے آخر میں شیریں الفاظ، عمدہ ترکیب اور صحیح معنی لانا حسن انتہاء ہے اگر یہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جو انتہاء کی خبر دیتے ہوں تو اسے براعۃ مقطع کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

يَبْقَيْتَ بِبَقَاءِ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ اَهْلِهِ
وَهٰذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلٌ

ترجمہ: اے اپنے لوگوں کی پناہ تم زمانے کے باقی رہنے کے ساتھ باقی رہو اور یہ دعا تمام مخلوق کو شامل ہے۔

الحمد للہ آج ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ 19 جولائی 2001ء بروز جمعرات صبح چھ بج کر تیئس منٹ پر یہ ترجمہ مکمل ہوا۔

محمد صدیق ہزاروی

مدرس: جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور